ندگی کا سفر

ڈیل کارنیگی



ادبی دنیا مٹیا محل دہلی ۶

زندگی کا سفر

ڈیل کارنیگی

Distributed by :
MAKTABA AL HASANAT
2241, Kucha Chelan, Darya Ganj
New Delhi-110002 (INDIA)
Tel: 011-2327 1845, 2325 2190, 56206181
E-mail: m_alhasanat@rediffmail.com
E-mail: faisalfaheem@rediffmail.com

ادبی دُنیا ۵۱۰ مٹیا محل دہلی ۱۱۰۰۰۶

طابع : ریحان احمد صدیقی
کمپوزنگ : آلپس گرافکس لال کنواں، دہلی
پرنٹر : وایلائڈ پرنٹرز دہلی فون:3911799
قیمت : Rs. 20
ناشر : ادبی دُنیا 510، مٹیا محل، جامع مسجد دہلی-۶

فہرست

زندگی کا سفر

زندگی کو بسر کرنا کوئی خاص خوبی نہیں۔ کیونکہ اس نے تو بسر ہونا ہی ہے حیوانات پرندے اور دیگر جاندار بھی تو اپنی زندگی گزار ہی لیتے ہیں۔ انسان اشرف المخلوقات ہے۔ اس لئے ضروری ہے۔ کہ وہ زندگی کو ایسے طریقے سے بسر کرے۔ کہ زندگی گزارنا اس کا کارنامہ بن جائے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ آپ اپنی زندگی کو اپنی خواہشات اور پسندیدہ طریق سے کامیابی اور خوبی سے بسر کریں اور آپ کا انداز زندگی کے ماتھے پر ایک جھومر بن جائے۔ اور آپ کے بعد کے دور میں آنے والے آپ کے طور طریقوں کو اپنے لئے مشعل راہ بنالیں اور اپنی منزل کو پانے میں آسانیاں محسوس کریں۔

زندگی کو بامقصد گزارنے کے لئے مستقل مزاجی، انتھک محنت، لگن کے علاوہ جذبہ، جدوجہد اور پختہ عزم زندگی کی راہ کے وہ نشان منزل ہیں۔ کہ جن کی بدولت آپ کامیاب اور بامراد زندگی کی منزل تک رسائی حاصل کر سکتے ہیں۔

ہمیشہ خوش رہیئے

اگر کوئی فرد چاہتا ہے۔ کہ اسکی زندگی فتح و کامرانیوں سے بھرپور ہو۔ اور اسکی یہ بھی خواہش ہو کہ وہ خوش حال اور پر طمانیت زندگی گزارے۔ تو اس کو چاہئے۔ کہ وہ اس عظیم دانش ور کے قول پر صدق دل سے عمل کرے۔ جس نے کہا تھا۔ کہ "کامیاب زندگی کے لئے بنیادی شرط ہے۔ کہ آپ پر عزم اور خوش مزاج ہوں اور ہمیشہ زندگی کے روشن پہلو پر اپنی نظر رکھیں۔ یاد رکھیئے کہ کامیابی کے لئے خندہ روی شرط اول ہے"۔

اسی طرح ایک اور صاحب علم و دانش "سرجان لبیک" کا کہنا ہے۔ کہ "دنیا بہتر اور زیادہ روشن بن سکتی ہے۔ لیکن شرط یہ ہے۔ کہ لوگوں کو یہ بات ذہن نشین کرا دینی چاہئے۔ کہ خوش رہنا ان کا فرض ہے۔ اور کسی فرض کو خوش اسلوبی سے نبھانے میں کتنی خوشی حاصل ہوتی ہے۔"

اگر ہم خود خوش رہیں گے تو اس سے دوسروں کی خوشی میں اضافہ ہوگا ایک نوجوان نے اپنے ایسے دوست سے جو صبح و شام متفکر اور مغموم رہتا تھا۔ کہا کہ وہ اپنی زندگی کے روشن پہلوؤں کو ہمیشہ مد نظر رکھا کرے۔ اس کے اداس رہنے والے دوست نے برجستہ جواب دیا۔ کہ زندگی میں تو روشن پہلو ہوتا ہی نہیں تو اس کے دوست نے اسے مشورہ دیا۔ کہ وہ زندگی کے تاریک پہلوؤں کو روشن کر کے چمکا لیا کرے۔ اس پر اسکا مغموم دوست خاموش ہو گیا۔ ایسے ایک خوش رہنے والا مفکر کارلائیل ہمیشہ بلند آواز میں پکار پکار کر کہتا رہتا تھا کہ۔

وہ انسان جو دوران کام خوشی کے گیت گاتا رہتا ہے۔ وہ دوسروں کی نسبت کم وقت میں زیادہ کام سرانجام دے لیتا ہے۔ ایسے ہی وہ شخص جو کسی ایسے قافلے کے ساتھ ہمسفر ہوتا ہے جو گیت گاتے سفر طے کر رہا ہوتا ہے۔ تو اسکے ساتھ شامل ہونے والا راہی کبھی تھکان محسوس نہیں کرتا۔ ماہرین فلکیات کا کہنا ہے۔ کہ ستارے بھی اپنے مدار میں گردش کرتے ہوئے کوئی نہ کوئی راگ الاپتے رہتے ہیں۔ کیونکہ خوش رہنے کی قوت تعجب خیز ہوتی ہے۔ اور اس طرح خوش رہنے والے انسان میں قوت برداشت بہت زیادہ ہوتی ہے۔ اگر آپ بھی اپنی کاوشوں کو کامیابی سے ہمکنار کرنا چاہتے ہیں۔ تو کسی حالت میں بھی خوش اخلاقی اور خندہ روی کا دامن نہ چھوڑیں۔

یہ بات اپنے ذہن میں رکھئے کہ خوشی اور امنگ کے بغیر آپ خواہ کتنے ہی حوصلے کے مالک کیوں نہ ہوں۔ بے کار ہیں۔ یوں سمجھ لیجئے کہ آپ کا حوصلہ خوشی اور امنگ کے بغیر ایک بے جان جسم کی مانند ہے۔

ایک اور مفکر "مسٹر سٹرن" کا کہنا ہے کہ میں ہمیشہ اپنی بیماری اور کمزور صحت کا مقابلہ خوش مزاجی اور خندہ روی سے کرتا ہوں۔ اور میں یہ بات یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ جب کوئی انسان مسکراتا ہے۔ تو یقیناً اس کی زندگی میں کسی نہ کسی شے کا اضافہ ضرور ہو جاتا ہے۔

ہنس مکھ، خوش اخلاق اور خوش گفتار لوگ ہمارے ذہنوں میں زیادہ عرصہ تک سمائے رہتے ہیں۔ اور ہم جب بھی اپنے ذہن پر بوجھ دیکر ماضی کی یادوں کو تازہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ تو یہی ہنس مکھ خوش اخلاق اور خوش گفتار لوگ ہی ہمارے ذہن کے آئینے میں دکھائی دیتے ہیں۔

کہتے ہیں، کہ ایک لاغر اور مریض مقرر کسی جلسہ میں تقریر کرنے کے بعد اپنی نشست پر جا بیٹھا تو یارک شائیر کے ایک نکتہ شناس اور سمجھدار شخص نے فوراً کھڑے ہو کر کہا کہ، معلوم ہوتا ہے۔ کہ معزز مقرر جو ابھی ابھی تقریر کر کے بیٹھے ہیں ان کا گھر کسی ایسے محلے میں ہے۔ جہاں افسردگی اور ناامیدی کے سوا کچھ نہیں ہوتا اور ہو سکتا ہے۔ کہ ان کا ذاتی مکان ایسی گلی میں واقع ہے جس کا نام شکایات والی گلی ہے۔ میں ایسا اس لئے کہہ رہا ہوں۔ کہ میں خود بھی ایک ایسے ہی محلے اور گلی میں رہائش پذیر رہا ہوں۔ اور پورے وثوق سے کہہ سکتا ہوں۔ کہ میں جتنا عرصہ اس آبادی میں رہا ہوں۔ میری صحت کبھی ٹھیک نہیں رہی۔ کیونکہ اس محلہ کی ہوا خراب، مکان، خراب، پانی، خراب تھا۔ یہی نہیں بلکہ وہاں درختوں پر رہنے والے پرندوں کو بھی میں نے ہمیشہ افسردہ اور بیزار دیکھا ہے۔ کیونکہ میں نے انہیں کبھی چہچہاتے نہ دیکھا تھا مجھ پر بھی اس پژمردہ ماحول اور آب و ہوا کا اثر ہونے لگ گیا تھا۔ اور میں ہمہ وقت اپنے آپ کو اداس اور غمگین محسوس کرنے لگ گیا تھا۔ میں چونکہ ایسے ماحول کو زیادہ عرصہ برداشت نہ کر سکا تھا۔ لہذا میں نے اس آبادی کو بہت جلد خیرباد کہہ دیا۔ اور وہاں سے بھاگ کر ایک ایسی بستی میں رہائش اختیار کر لی جو صبر و شکر سے بھرپور تھی۔ اب آپ خود بھی اندازہ کر سکتے ہیں۔ کہ میری صحت کتنی اچھی ہے۔ میرے پورے گھرانے کی صحت کا بھی یہی عالم ہے۔ میں سمجھتا ہوں۔ کہ اس کی واحد وجہ یہ ہے۔ کہ اس صبر و شکر والی آبادی کی ہوا اچھی ہے، پانی اچھا ہے، فضا اچھی ہے، یہاں تک کہ اس کے مکان بھی اچھے ہیں، اس میں رہنے والے پرندے بھی ہر وقت خوشی اور مسرت کے گیت گاتے رہتے ہیں۔ یہاں دن بھر سورج اپنی آب و تاب دکھاتا رہتا ہے۔ اب میں زندگی کی لذتوں سے خوب جی بھر کر لطف اندوز ہوتا رہتا ہوں۔ میں اپنے مقرر دوست کو مخلصانہ مشورہ دیتا ہوں۔ کہ وہ بھی اس افسردہ اور اداس آبادی کو خیرباد کہتے ہوئے جتنی جلدی ممکن ہو۔ صبر و شکر والی آبادی میں رہائش اختیار کر لیں اس آبادی میں ابھی کچھ مکان اپنے مکینوں کے منتظر ہیں۔ اور اگر میرے فاضل مقرر دوست میرے مشورہ پر عمل کریں۔ تو بہت جلد وہ اپنے آپ کو ایک بدلا ہوا انسان سمجھنے لگیں گے۔ اور میں بھی ان کی رفاقت کو اپنے لئے باعث فخر سمجھوں گا۔

کہا جاتا ہے۔ کہ امریکی صدر "ابراہام لنکن" کی دفتری میز کی دراز میں کوئی نہ کوئی کتاب ایسی

موجود رہتی تھی۔ جو لطائف و ظرافت سے متعلق ہوتی تھی۔ اور لنکن جب دفتری امور انجام دیتے دیتے تھک جاتے تھے۔ تو فوراً ایسی ہی کتاب کو دراز سے نکال کر مطالعہ شروع کر دیتے تھے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا۔ کہ وہ چند اوراق پڑھنے کے بعد اپنے آپ کو تازہ دم محسوس کرنے لگتے تھے۔ انکا نظریہ یہ تھا کہ انسان کو کسی بھی لمحہ افسردہ یا ملول نہیں رہنا چاہئے۔ خوش اخلاقی اور خوش مزاجی اللہ پاک کی عطا کردہ نعمتیں ہیں۔ اس لئے یہ باعث برکت بھی ہیں۔ جب انسان کی روح اپنے تمام دروازے کھول کر روشنی یعنی خوشی کو اپنے اندر داخل ہونے کی اجازت دے دیتی ہے۔ اور ہر چشم بینا کو اپنی خوشی کا احساس دلاتی ہے۔ تو اس طرح نہ صرف روح کو خوشی ملتی ہے۔ بلکہ اس کے ساتھ ساتھ اس کے اندر دوسروں کی بھلائی کرنے کی بے پایاں قوت بھی آجاتی ہے ایسے ہی مواقع پر صاحب علم وبصیرت نے کہا ہے کہ۔

"مبارک ہیں وہ جو خود بھی خوش رہتے ہیں۔ اور دوسروں کو بھی خوش رکھتے ہیں" ایک بیمار شخص کو جس طرح دوا سے افاقہ محسوس ہوتا ہے۔ ایسے ہی مایوسی رنج اور فکر کو خوش رہنا فائدہ پہنچاتا ہے۔ خندہ پیشانی اور بشاشت پژمردگی اور ملول کو انبساط اور مسکراہٹ مہیا کرتی ہے۔

قانون قدرت ہے۔ کہ جب انسان کسی مصیبت کو اپنے دل میں جگہ بنانے کی دعوت دیتا ہے۔ تو رنج والم فوری طور پر انسانی جسم وجان پر حملہ آور ہو جاتی ہیں۔ جونہی یہ دونوں ہمارے جسم میں داخل ہو جاتی ہیں۔ تو یہ لمحہ بہ لمحہ اپنے پنجے مضبوطی سے گاڑنا شروع کر دیتی ہیں۔ جس کا بہت جلد نتیجہ یہ نکلتا ہے۔ کہ انسان ان مصیبتوں میں ڈوب جاتا ہے۔ ایک مشہور ادیب کا کہنا ہے۔ کہ "اگر مجھے اس صندوقچہ کا پتہ مل جائے جس میں مسکراہٹیں اور خوشیاں بند ہوں تو میں مقدور بھر کوشش کر کے اس کی کنجی حاصل کرنے کی کوشش میں لگ جاؤں گا اور اگر اس صندوقچہ کو کتنی ہی مضبوط زنجیر سے باندھا گیا ہو۔ میں اپنی پوری قوت صرف کر کے اس زنجیر کو کھولنے میں کامیاب ہو جاؤں گا۔ اور پھر اس بکس میں بند تمام خوشیوں اور مسکراہٹوں کو روئے زمین پر اس طرح بکھیر دوں گا کہ سمندر بھی اس سے مستفیض ہو۔ جب وہ مسکراہٹیں اور خوشیاں اپنا کام کریں تو دنیا بھر کے بچے ان کو اپنے چہروں میں مضبوطی سے قابو کر لیں۔ اور ایک مدت تک ان مسکراہٹوں اور خوشیوں پر اپنا قبضہ برقرار رکھیں۔"

جب وہی مشہور ادیب رنج و غم کی تصویر لفظوں میں بیان کرتا ہے تو کچھ اس طرح معلوم دیتا ہے۔ اگر مجھے کہیں سے ایسے صندوق کا پتہ مل جائے۔ جس میں دنیا بھر کے رنج والم، جھوٹ فریب، نفرت وحقارت یکجا بند کئے جا سکیں۔ تو میں ان سب کو اس صندوق میں بند کر کے کسی گہرے ترین سمندر میں پھینک دوں یوں تو خیال میں بہت زیادہ قوت ہوتی ہے۔ مگر جب کوئی خیال پر مسرت ہو تو ایک قوت اور طاقت کا اندازہ درج ذیل واقع سے آپ خود ہی لگا سکتے ہیں۔ کسی شہر میں ایک بیمار شخص رہتا تھا۔ دنیا بھر کے ڈاکٹر اور حکیم اسکا علاج کرتے کرتے عاجز آچکے تھے۔ مگر کیا مجال کہ اس کی بیماری میں ذرہ برابر بھی فرق

آیا ہو۔ مریض کے لواحقین اس کی چارپائی سے لگ کر اس انتظار میں بیٹھے رہتے۔ کہ کوئی دم میں ان کا پیارا عزیز موت کو گلے لگالے گا۔ تمام لواحقین کے چہرے غم سے مرجھائے ہوئے تھے۔ کہ اتنے میں ان کا ایک پڑوسی مریض کی عیادت کے لئے حاضر ہوا۔ اس نے عجب مسکراہٹ بکھیرتے ہوئے مریض کو یقین دلایا۔ کہ اس کو کچھ بھی نہیں۔ وہ بہت جلد تندرست ہو جائیگا۔ کیونکہ یہ مرض ہی معمولی ہے۔ میں نے تو بہت سے ایسے مریضوں کو صحت یاب ہوتے دیکھا ہے۔ جن کی موت یقینی ہو چکی تھی۔ عیادت کرنے والے کی مسکراہٹ کا مریض پر خوشگوار اثر ہوا۔ اور اس کے چہرے پر بھی مسکراہٹ کے آثار دکھائی دینے لگے یکایک آنے والے شخص نے کوئی ایسی بات کر دی۔ کہ مریض قہقہہ لگانے پر مجبور ہو گیا۔ وہ شخص کئی روز تک متواتر مریض کے پاس آتا۔ اور اسے ہنسانے میں لگا رہتا۔ اس کے اس عمل سے مریض کی بیماری دن بدن کم ہونے لگی۔ اور وہ تھوڑے ہی دنوں میں بھلا چنگا ہو گیا۔

"مسٹر بچر" نے اپنی کسی یاداشت میں یہ لکھا ہے۔ کہ ایسے لوگ جو چیخ چیخ کر اپنی زندگی کے دن گزارتے ہیں۔ ان سب کو اپنی مجلس سے نکال باہر کرو۔ دنیا والے ایسے لوگوں کو فردوسی پرندے سمجھتے ہیں۔ یہ بات یاد رکھئے کہ جس شخص کو ہنسنا نہیں آتا وہ اپنی زندگی میں کبھی خوش نہیں رہ سکتا۔ لہٰذا اسے چاہئے۔ کہ وہ اپنی دیکھ بھال کرے۔ اور وہ ایسے کام سرانجام دیا کرے۔ جن کے انجام دینے سے اسکو مسرت اور شادمانی حاصل ہو۔

مشہور انگریز مڈایمرسن کا کہنا ہے کہ "اپنے رہائشی کمروں کی دیواروں پر کبھی بھول کر بھی اداس اور غمناک تصاویر آویزاں نہیں کرنی چاہیں۔ اور نہ یہ اپنی گفتگو میں رنج والم کا ذکر کیا کرو۔"

نیویارک کے مغربی حصہ میں ایک ڈاکٹر جس کا نام "بروک" تھا رہتا تھا۔ لوگ اس کو ہنسانے والے ڈاکٹر کے نام سے پکارتے تھے۔ اس کا معمول تھا۔ کہ وہ خود بھی ہروقت مسکراتا رہتا تھا۔ اور اپنے پاس آنے والے مریضوں کو بھی ہنسانے کی کوشش کرتا رہتا تھا۔ اور اپنے مریضوں کو ہنستے رہنے کا مشورہ دیتا تھا۔ اس نے اپنے پاس آنے والے مریضوں کو دوا کی بجائے ہنستے رہنے کی ہدایت کی۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے پاس بغرض علاج آنے والے مریض بہت جلد صحت یاب ہو جاتے تھے۔ اللہ پاک نے انسان کو ہنسنے کی طاقت خاص مصلحت کے تحت عطا کی ہے۔ ہنسنے سے ہمارے جسم کے اندرونی اعضا کی ورزش ہو جاتی ہے۔ اور خود ہمیں شادمانی محسوس ہوتی ہے۔ ہنسی ہمارے جسم میں پھیپھڑوں کے راستے معدہ، جگر اور دیگر اعضا میں خون کی حرکت کو تیز کر دیتی ہے ہنسی ہی کی بدولت ہمارا دل تیز تیز حرکت کرنے لگ جاتا ہے۔ دوران خون میں تیزی آجاتی ہے۔ نظام تنفس میں بھی تندی پیدا ہو جاتی ہے۔ غرض تمام نظام جسم میں ایک مخصوص حرارت اور چمک پیدا ہونے لگ جاتی ہے۔ جب ہم باآواز بلند قہقہہ لگاتے ہیں۔ تو ہماری آنکھوں میں چمک پیدا ہونے کے ساتھ ساتھ ہمارا سینہ پھولتا ہے۔ اور اس طرح کے عمل سے ہمیں نہیں

ترین معذونیت جس کو صحت کا نام دیا جاتا ہے۔ دوبارہ حاصل ہو جاتی ہے۔ ایسے ڈاکٹر اور طبیب زیادہ کامیاب رہتے ہیں۔ جو مریض کو ہنسانے کا طریقہ جانتے ہیں مشہور امریکی صدر ابراہام لنکن کا کہنا ہے کہ "اگر میں کبھی کبھار کھول کر ہنسنے کا عادی نہ ہوں۔ تو یقیناً قبل از وقت مرجاؤں ایسے ہی "مسٹر والٹر سکاٹ" نے اپنی یاداشتوں میں لکھا ہے کہ "میں تم سے کچھ طلب نہیں کرتا۔ مجھے تم ایک ایمان دار ہنسنے ہنسانے والا شخص لا دو" مسٹر والٹر سکاٹ کے مندرجہ بالا قول میں کوئی شک بھی نہیں۔ کیونکہ وہ خود بے حد خوش طبع اور ہروقت ہشاش بشاش رہنے والا شخص تھا۔ وہ جب بھی کسی سے ملتا تو ہمیشہ مسکراتے ہوئے اس کا استقبال کرتا تھا۔ جس کے بدلے لوگ بھی اس کو بہت پسند کرتے تھے۔ اور بے حد و حساب پیار کرتے تھے۔

انسان کو چاہئے۔ کہ وہ رنجیدہ نہ ہو۔ جیس بہ جیس سے دور رہنے کی کوشش کرے اور اس طرح ایک نہ ایک دن وہ روشنی کے قریب پہنچ جانے میں کامیاب ہو جائیگا۔ اس میں ایک شرط یہ بھی ہے۔ کہ اسے اپنی نظر ہمیشہ بلندی کی جانب رکھنی ہوگی۔ اور اسکی زندگی مرتفع ہو۔ اور اس کا کام بھی ارتقا کی جانب ہو۔

زمین کی تہہ میں دبائے گئے بیج کی نسبت ہمیں یہ شک و شبہ نہیں کرنا چاہئے۔ کہ یہ بیج زمین میں بے کار پڑا ہوا ہے۔ بلکہ وہ بیج ایک نہ ایک دن پھوٹ کر ایک تناور درخت بننے کے لئے شگوفے، پتے، پھل پھول نکالنے لگ جائے گا۔ کیونکہ وہ اپنے دل میں یہ خیال کبھی نہیں لاتا۔ کہ اس کے اوپر تو منوں مٹی کا ڈھیر پڑا ہوا ہے۔ وہ کس طرح اس ڈھیر میں گزر سکے گا۔ وہ یہ شکوہ بھی کبھی لب پر نہیں لاتا۔ کہ اس کی راہ میں نباتات کی جڑیں اور پھر ان جڑوں میں جکڑی ہوئی ڈھیروں مٹی اور پتھر پڑے ہیں۔

اس کی بجائے وہ کوشش کرتا رہتا ہے۔ اور اپنا نازک سر ان پتھروں اور منوں مٹی کے ڈھیر سے باہر نکالنے کی تگ و دو میں لگا رہتا ہے۔ بالآخر وہ اپنی اس کاوش میں کامیاب و کامران ہو کر روشنی میں نکل آتا ہے۔ پھر اس پر پتے پھول اور پھل پیدا ہو جاتے ہیں۔ ایسے ہی وسیلوں اور ذرائع کی بدولت انسان بھی تاریک اور گمنام گوشوں سے نکل کر شہرہ آفاق بن سکتا ہے۔ اور جہالت سے نکل کر مہذب اور شائستہ انسان بن جاتا ہے۔

جب "سکروج" کو خوشی کا پارس ہاتھ آجاتا ہے۔ تو وہ بھی خوشی کے آنسو بہاتا ہوا پکار اٹھتا ہے۔ مجھے کچھ خبر نہیں ہے کہ میں کیا کروں۔ وہ اپنے آپ کو ایک پرندے کی طرح سمجھنے لگ جاتا ہے بالکل ہلکا پھلکا۔ اور ایک فرشتے کی طرح خوش خوش جیسے ایک سکول میں تعلیم حاصل کرنے والا ہشاش بشاش طالب علم جو ایک میخوار کی طرح نشے سے سرشار ہوتا ہے۔ اسی طرح ہر کسی کو دائمی خوشی اور مسرت حاصل ہو سکتی ہے۔

مسٹر ریورنڈ کا کہنا ہے۔ کہ "میں ایک مریضہ کی بیمار پرسی کرنے کے لئے جایا کرتا تھا۔ جس کمرے میں مریضہ لیٹی رہتی تھی اس کے ایک دریچہ میں گلاب کا پودا رکھا رہتا تھا۔ ایک دن میں نے دیکھا۔ کہ اس پودے پر ایک پھول آیا ہوا تھا۔ جس کا رخ باہر روشنی کی جانب تھا۔ میں نے مریضہ سے اس پودے کے متعلق پوچھا۔ تو وہ کہنے لگی کہ میری بیٹی نے کئی بار اس پودے کا رخ تاریکی کی طرف پھیرا۔ لیکن ہر بار پھول اپنا رخ روشنی کی طرف کرلیتا ہے۔ میں سمجھ گیا۔ کہ پھول کو اندھیرے یعنی تاریکی سے نفرت ہے۔ اسی لئے تو وہ اپنا رخ روشنی کی طرف کرلیتا ہے۔ پھول کے اس طرح رخ پھیر لینے سے مجھے یہ سبق ملا۔ کہ میں بھی ہمیشہ اپنا رخ روشنی کی طرف رکھوں۔ اور زندگی میں کبھی اندھیروں کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھوں۔" اسی لئے میں اپنے احباب کو یہی مشورہ دیتا ہوں۔ کہ ہر ایک چیز میں کوئی نہ کوئی روشن پہلو ضرور ہوتا ہے۔ پس انہیں اسی روشن پہلو کو تلاش کرنا چاہئے۔ کیونکہ مایوسی سے بہت سے خطرات بڑھ جاتے ہیں۔ انسان کی صحت دن بدن گرتی جاتی ہے۔ اور اس کا جسم اور روح روز بروز کمزور اور لاغر ہونا شروع کر دیتے ہیں۔

مسٹر بنجمن فرینکلن اپنی یاداشتوں میں لکھتے ہیں۔ کہ "میرے دفتر کے نزدیک ایک مکان زیر تعمیر تھا۔ جہاں کئی راج اور مزدور کام کرتے تھے۔ ان میں ایک مزدور ایسا تھا۔ جو ہروقت خوش و خرم دکھائی دیتا رہتا تھا۔ وہ ہروقت چاہے سردی ہو یا گرمی، دھوپ ہو یا بادل روشنی ہو یا اندھیرا وہ ہر حال میں ہشاش بشاش دکھائی دیتا۔ اور مسکراہٹ اس کے چہرے پر ہر لمحہ رقصاں دکھائی دیتی تھی۔ میں نے یونہی اس سے اس کی اس بشاشت اور مسکراہٹ کی وجہ پوچھی۔ تو اس کا جواب بہت سیدھا سادا تھا۔ اس نے بتایا۔ کہ میری مسکراہٹ میں کوئی راز پوشیدہ نہیں۔ بلکہ سچی بات تو یہ ہے۔ کہ میری بیوی بہت اچھی عورت ہے اتنی بااخلاق ہے کہ جب میں اپنے کام پر روانہ ہونے لگتا ہوں۔ تو مسکرا مسکرا کر مجھے خدا حافظ کہتی ہے جب شام کو کام ختم کر کے گھر پہنچتا ہوں۔ تو وہ میرے انتظار میں گھر کے دروازے پر موجود ہوتی ہے اور مسکراہٹ کے ساتھ میرا استقبال کرتی ہے۔ اور مجھے بہت پیار سے اپنے بستر پر بٹھا کر چائے تیار کرنے جاتی ہے۔ اور بڑے خلوص اور محبت سے چائے پیش کرتی ہے۔ اسکی ممکن کوشش ہوتی ہے۔ کہ میں کسی وقت بھی اداس نہ ہوں۔ یہی وجہ ہے۔ کہ میرے دل میں کبھی اداسی پیدا نہیں ہوتی۔ اور مجھے بدکلامی کرنے کا خیال تک نہیں آتا۔ اور نہ ہی میں کبھی کسی سے ترش روئی سے پیش آتا ہوں۔ میری مسکراہٹ کی صرف اور صرف یہی وجہ ہے۔"

ایک دولت مند "جے کک" نام کا تھا۔ وہ سینکڑوں لکھ پتیوں میں سے ایک تھا۔ اس کی عمر تقریباً اکاون سال تھی۔ بدقسمتی سے اگلے سال یعنی باون سال کی عمر میں اسے اتنا زیادہ نقصان برداشت کرنا پڑ گیا۔ کہ وہ پائی پائی کا محتاج ہو گیا۔ صرف یہی نہیں۔ بلکہ وہ بہت زیادہ مقروض بھی ہو گیا اس نے ہمت نہ ہاری۔

اور ایک بار پھر اپنے کاروبار کو منظم کیا- اس نے تمام قرض خواہوں کا تمام قرض ادا کر لیا- اور کافی دولت اپنی تجوری میں بھی جمع کر لی- اس کے قرض خواہوں کی تعداد کم و بیش تین ہزار بیان کی جاتی تھی- ایک دن اس کے ایک ہی خواہ نے اس سے از سر نو دولت کما لینے کے بارے دریافت کیا- کہ اس نے اتنی دولت کس طرح حاصل کی ہے- جسکا اس نے جواب دیا کہ میں نے اپنے والدین سے ورثہ میں جو طبیعت پائی تھی اس کو میں نے اپنے سینہ سے لگائے رکھا- اور میں طفولیت سے لیکر بڑھاپے تک ہمیشہ پر امید اور خوش و خرم رہا دکھ درد اور رنج والم کو اپنے قریب نہیں آنے دیا- میں ہمیشہ خوش رہتا ہوں- میرا مقولہ ہے- کہ "کام کیجئے اور خوش رہیئے" میری کامیاب اور کامران زندگی کا اصل راز ہی یہی ہے کہ "ہمیشہ روشن پہلو کو پیش نظر رکھئے-"

محنت کی عظمت

ایک مشہور مفکر مسٹر رسکن کہتے ہیں کہ "اگر آپ کو علم کی آرزو ہے- تو اس کو حاصل کرنے کے لئے محنت اشد ضروری ہے- اگر آپ کو خوراک کی تلاش ہے- تو اس کے لئے بھی محنت بنیادی شرط ہے- اگر آپ کو خوشی چاہیئے تو اس کے لئے بھی آپ کو محنت کرنا پڑے گی گویا محنت کا مقام ایک قانون کا سا ہے جس کی پابندی کرنا ہی آپ کو ہر میدان میں کامیابی دلانے کے لئے از حد لازم ہے"

ایک خاتون جن کا نام "مسز اوس گڈ" کا کہنا ہے کہ "کام کرو تاکہ بھلائی حاصل ہو- ضروری نہیں- کہ آپ اس کو تیزی سے سرانجام دیں- بیشک آہستہ آہستہ کریں لیکن کریں ضرور- کوئی پھول لگانے کی کوشش کریں- خواہ وہ ایک عام سا پھول ہی کیوں نہ ہو- محنت خواہ کیسی ہی کیوں نہ ہو- ہمیشہ اعلی اور بابرکت ہوتی ہے آپ کے بڑے بڑے کام ہی بارگاہ رب العزت میں تمہاری دعا کا درجہ رکھتے ہیں" ایک صاحب جن کا نام "مسٹر گرے" تھا کے کم عمر لڑکے نے باپ سے درخواست کی- کہ آئندہ مجھے سکول جانے پر مجبور نہ کیا جائے- اس کے والد اپنے بیٹے کی بات سن کر حیران ہوئے- اور اپنے بیٹے سے اس کی وجہ معلوم کرنا چاہی- تو بیٹے نے کہا- "ابا جان! تعلیم سے میرا جی اکتا گیا ہے- کیونکہ مجھے تعلیم میں کوئی فائدہ نظر نہیں آتا" اس کے باپ نے ایک سوال کر دیا کہ "کیا اس کا خیال ہے- کہ اس نے مناسب حد تک تعلیم حاصل کر لی ہے بیٹا بول اٹھا جتنا کچھ میرے دوست جارج لائی مین کو آتا ہے- اتنا ہی مجھے ازبر ہو چکا ہے وہ کل ملا ہے سکول نہیں جاتا- بلکہ وہ ہمیشہ کے لئے سکول کو خیرباد کہہ چکا ہے- اس نے یہ بھی

بیان کیا- کہ جارج لائی مین کے والد کے پاس بہت زیادہ دولت ہے" یہ سن کر اس کے والد بولے "اگر یہی بات ہے- تو تم کو بھی سکول جانے کی چنداں ضرورت نہیں" جونہی لڑکے کے کانوں میں باپ کے یہ الفاظ پڑے- تو اس نے اپنے والد کا شکریہ ادا کیا- ابھی وہ کمرے سے باہر نکلنا ہی چاہتا تھا- کہ مسٹر گرے بول اٹھے- ایک منٹ ٹھہرو میں نے تو ایسی اہم بات کوئی نہیں کی- جس کا تم شکریہ ادا کر رہے ہو- اگر تم پڑھنا پسند نہیں کرتے- تو یقیناً سکول نہ جاؤ- اور نہ ہی تمہیں ضرورت ہے لیکن ایک بات کان کھول کر سن لو- "اگر تم سکول نہ جاؤ گے تو سست بن جاؤ گے- تمہیں کل سے میرے ساتھ کام پر جانا ہو گا- میں تمہیں سست اور کاہل الوجود دیکھنا نہیں چاہتا- کیونکہ مجھے سست اور کام چور لوگ پسند نہیں اگلے دن جب مسٹر گرے اپنی سرکاری ڈیوٹی انجام دینے کے لئے ایک جیل کے معائنہ پر پہنچے- تو اپنے بیٹے جس کا نام چارلس تھا کو اپنے ہمراہ لے گئے- بدقسمتی سے اس جیل خانہ میں ان کا ایک بچپن کا دوست اور ہم جماعت مسٹر ہارسن بھی قید کی سزا بھگت رہا تھا- جب مسٹر گرے اس قیدی دوست کے سامنے سے گزرے- تو اُسے مخاطب کر کے کہنے لگے مسٹر ہارسن! تمہیں دیکھ کر مجھے بہت دکھ پہنچا ہے- لیکن خوشی بھی ہوئی- کہ مجھے اپنا ایک پرانا ہم جماعت مل گیا- قیدی نے جواب میں عرض کیا "بے شک اچھے دوست ایسے حالات اور مواقع پر دکھ ہی محسوس کرتے ہیں-" جب اس نے مسٹر گرے کے ساتھ ایک لڑکے کو دیکھا- تو دریافت کیا- کہ کیا یہ لڑکا اس کا بیٹا ہے- مسٹر گرے نے ہاں میں جواب دیا- اور ساتھ ہی یہ بھی کہا- کہ اسکی عمر بھی اتنی ہی ہے جتنی ہماری عمر ہوتی تھی جب ہم ایک ساتھ سکول جاتے تھے- کیا تمہیں وہ زمانہ یاد ہے- قیدی ہارسن نے کف افسوس ملتے ہوئے کہا- "کاش میں ان دنوں کی یاد کو دل سے بھلا سکتا" اکثر اوقات مجھے یہ جیل خانہ ایک خواب و خیال معلوم ہوتا ہے- لیکن جب میں جاگتی آنکھوں سے اسے دیکھتا ہوں تو مجھے گزرا ہوا زمانہ خواب و خیال محسوس ہوتا ہے- مسٹر گرے نے قیدی سے وہ حالات پوچھے جن کی بدولت اسے جیل کی ہوا کھانا پڑی- قیدی ہارسن نے مختصراً اپنی کہانی کچھ اس طرح بیان کی-

"مجھے کاہلی اور سستی نے برباد کیا ہے- مجھے پڑھنا پسند نہ تھا- کیونکہ میں سمجھتا تھا- کہ ایسے شخص کو پڑھنے لکھنے کی کیا ضرورت ہے- جس کے باپ کے پاس بے انداز دولت موجود ہو- جلد ہی میرے والد کو موت نے آ لیا- اور باپ کی ساری دولت اب میرے قدموں میں تھی- میں نے بغیر سوچے سمجھے بے دریغ خرچ کرنا شروع کر دیا- کیونکہ اس دولت کے حصول میں مجھے کوئی محنت نہ کرنی پڑی تھی- اسی لئے خرچ کرتے بھی کوئی ہچکچاہٹ نہ ہوئی- میری آنکھیں اس وقت کھلیں جب باپ کی ساری دولت ختم ہو چکی تھی- چونکہ میں کوئی کام کرنا بھی نہ جانتا تھا- ایمانداری سے روپیہ ہاتھ آنے کی کوئی امید نہ تھی- مجبور ہو کر میں نے جرائم کی دنیا میں قدم رکھا- اور اس راستہ پر چل کر میں جیل میں پہنچ گیا- اس نے اظہار افسوس کرتے ہوئے بیان کیا- کہ کاش میں اپنا وقت سستی اور غفلت میں نہ گزارتا- اور کچھ پڑھ لیتا- تو

آج مجھے یہ دن نہ دیکھنا پڑتا"

مسز گرے کہتے ہیں۔ کہ جب میں چارلس کے ہمراہ جیل کا معاینہ کرنے کے بعد گھر واپس پہنچا۔ تو میرے بیٹے چارلس کی دنیا میں ایک انقلاب آچکا تھا۔ چارلس نے گھر پہنچتے ہی اعلان کردیا۔ کہ وہ کل سے سکول جائے گا۔ اور بے کار رہ کر وہ قیدی ہارسن کی طرح مجرم بننا پسند نہیں کرتا۔

ایسا ہی ایک اور واقعہ جان ایڈم نام کے طالب علم کا بیان کیا جاتا ہے۔ جان ایڈم بھی پڑھنے سے جی چراتا تھا۔ ایک دن اس نے اپنے والد کو بتایا۔ کہ وہ لاطینی زبان کی گرائمر میں دلچسپی نہیں رکھتا۔ اسی لئے اسے یہ اسباق پڑھنے پر مجبور نہ کیا جائے۔ اس کے والد نے بخوشی اسے ایسا کرنے کی اجازت دیدی۔ اور ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا۔ کہ انہیں تو اپنے بیٹے کی خوشی درکار ہے۔ مخالفت نہیں۔ اس کے والد نے اسے کہا۔ کہ اب وہ سخت اور پتھریلی زمین میں خندقیں کھودنے کا کام کیا کرے۔ تاکہ اردگرد کی دلدل کو ختم کیا جائے۔ لڑکے کو گرائمر پڑھنے سے انکار تھا۔ نہ کہ باپ کا حکم ماننے سے۔ کیونکہ ایسا تو ممکن نہ تھا۔ کہ وہ پڑھائی سے بھی جان بچالے۔ اور باپ کا بتایا ہوا کام بھی نہ کرے۔ لہٰذا اس نے اپنے والد کے حکم کی تعمیل میں بیلچے سے اس زمین میں خندق کھودنا شروع کردیا۔ صبح سے شام تک وہ کھدائی کا کام کرتا رہا۔ جب شام کو گھر پہنچا تو وہ اتنا تھک چکا تھا۔ کہ اس کے جسم کا رواں رواں درد سے کسی پکے ہوئے پھوڑے کی طرح دکھ رہا تھا۔ صرف ایک دن کی محنت نے اسے ایسا بدل کردیا۔ کہ اگلے روز اس نے اپنے والد کے سامنے یہ اعلان کردیا کہ وہ خندق کھودنے کی بجائے سکول پڑھنے کے لئے جائے گا۔ اس کے والد نے خوشدلی سے اس کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے اسے دوبارہ سکول جانے کی اجازت دیدی۔ دنیا جانتی ہے۔ کہ یہی جان ایڈم پڑھ لکھ کر ایسی نامور شخصیت بن گیا۔ اور جارج واشنگٹن کے بعد امریکہ کا صدر مقرر ہوا۔

ایک مشہور فرانسیسی مورخ لکھتے ہیں کہ "ایمانداری سے محنت کرو۔ تم ایک شاندار اور دریا مسرت سے سرشار ہو جاؤ گے۔ وہ ایک واقعہ بیان کرتے ہوئے کہتا ہے۔ کہ ""مائیکل انجلو" کو ان دنوں دیکھا جب وہ اپنی عمر کے ساٹھویں سال میں پہنچ چکے تھے۔ ان کا جسم کافی زیادہ نحیف ہو چکا تھا۔ لیکن جب وہ مجسمے بنانے کے لئے سنگ مرمر کے ٹکڑوں کو تراشتا تھا۔ تو اس کے ہاتھ اتنی تیزی سے کام کرتے تھے۔ کہ صرف پندرہ منٹوں میں وہ اتنا کام کرلیتا تھا۔ جتنا ایک صحت مند نوجوان ایک گھنٹے میں کرلیتا ہے۔ اس کی تیزی کو دیکھ کر یوں محسوس ہوتا تھا۔ کہ ابھی بنا بنایا مجسمہ برباد ہو جائے گا۔ کیونکہ پتھر کے ٹکڑے یوں ٹوٹ ٹوٹ کر گرتے تھے۔ کہ دیکھنے والے انگشت بدنداں رہ جاتے تھے کیونکہ ایک ایک چوٹ سے تین تین چار چار انچ کے ٹکڑے کٹ کر گرتے تھے اور دنیا جانتی ہے۔ کہ مجسمہ سازی ایسا کام ہے۔ کہ اگر چوٹ لگنے سے معمولی سا بھی ٹکڑا ادھر سے ادھر ہو جائے تو سارا مجسمہ بے کار ہو جاتا ہے۔ "مائیکل انجلو نے رفائیل کے بارے لکھا ہے کہ" یہ آدمی بہت ہی من پسند اور پیاری ہردلعزیز روح کا مالک تھا۔ اس

نے جو شہرت حاصل کی تھی۔ اس میں اسکی ذہانت کا اتنا دخل نہیں جتنا اس کی محنت کا ہے۔

خود رفائیل سے جب لوگوں نے دریافت کیا۔ کہ اس نے اتنے عجیب و غریب کام کیونکر انجام دیئے ہاں تو اس کا جواب تھا۔ کہ بچپن سے ہی میرا یہ اصول رہا ہے کہ میں کسی کام میں سستی اور غفلت نہ کرتا تھا۔ اس عظیم فن کار کے متعلق کہا جاتا ہے۔ کہ جب اس کی موت واقع ہوئی تو پورے روم نے اس کا سوگ منایا تھا۔ یہی نہیں بلکہ خود پوپ بھی زار و قطار رویا تھا۔ گو کہ اس نے صرف سینتیس (37) برس کی مختصر عمر پائی تھی۔ اس کے باوجود اپنے پیچھے دو سو ستاسی تصویریں اور کم و بیش پانچ صد سے زیادہ نقشے چھوڑے جن میں سے کچھ تصاویر ایسی تھیں۔ جن میں سے ایک ایک کی قیمت لاکھوں ڈالر تک پڑی تھی۔

ایک اور فن کار جس کا نام لیونارڈو ونسی تھا۔ بے حد خوش مزاج اور ارادے کا پکا تھا۔ کہ صبح سویرے ہی اپنا کام شروع کردیتا تھا۔ اور سورج غروب ہونے تک پوری لگن سے اپنا کام کرتا رہتا تھا۔ اس کی لگن اور ایمانداری سے محنت کرنے کا نتیجہ تھا۔ کہ اسکی بنائی ہوئی تصاویر کی قیمتیں لاکھوں ڈالر تک پہنچ گئی تھیں۔ اور اسے لافانی فنکار یعنی غیر فانی مصور کی حیثیت سے آج تک یاد کیا جاتا ہے۔

ایسے ہی ایک مصور جو "ریونس" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے نے خوب شہرت پائی کہا جاتا ہے۔ کہ اس پر دولت کی بارش ہوتی تھی۔ یوں بھی کہہ سکتے ہیں۔ کہ دولت اس پر عاشق تھی۔ اس کی دولت کو دیکھتے ہوئے ایک مشہور کیمیا گر نے اسے کہا تھا کہ آؤ ہم دونوں ملکر معمولی دھاتوں سے سونا بنائیں۔ اس پر ریونس نے اسے جواب دیا۔ کہ تم میرے پاس بیس سال بعد آئے ہو۔ کیونکہ سونا بنانے کا گر میں آج سے بیس سال پہلے حاصل کرچکا ہوں۔ پھر اس نے اپنے ایزل، رنگوں اور برش کی طرف اشارہ کرکے کہا۔ "جس چیز کو میں ان سے چھوتا ہوں۔ وہ بلا تاخیر سونے میں تبدیل ہو جاتے ہیں"

ایسا ہی واقعہ مشہور مصور "ملیں" سے منسوب کیا جاتا ہے۔ کہ وہ جب کوئی پینٹنگ بنا رہا ہوتا۔ تو اسے اپنے اردگرد کا ہوش نہ رہتا تھا۔ بس اپنے آپ کو اپنے کام میں مستغرق رکھتا تھا یعنی دنیا و مافیہا سے لاتعلق ہو جاتا تھا۔ اس پر یہ کیفیت اس وقت تک طاری رہتی تھی جب تک وہ اپنی تصویر مکمل نہ کرلیتا تھا۔ وہ اکثر کہا کرتا تھا۔ کہ اس کا کام اس شخص سے زیادہ محنت طلب ہوتا ہے۔ جو سارا دن کھیتوں میں ہل چلاتا رہتا ہے۔

وہ نوجوان نسل کو بھی یہ نصیحت کرتا رہتا تھا۔ کہ وہ ہر کام پوری لگن اور خوب دل لگا کر کیا کریں۔ کیونکہ کوئی بھی مقصد حاصل کرنے کے لئے محنت بہت ضروری ہے۔ وہ ذہانت کا قائل ضرور تھا۔ لیکن محنت کے بغیر ذہانت کسی کام نہیں آتی۔ اس کا یہ بھی کہنا ہے کہ میں کسی کو ہنرمند بننے کا مشورہ نہیں دیتا۔ ہاں یہ ضرور کہتا ہوں کہ خوب دل لگا کر محنت کرو۔ محنت کرنے میں ایمانداری کا دامن کبھی نہ چھوڑو۔ جب ایسا کرو گے۔ تو بہت جلد تمہاری منزل مقصود تمہارے قدموں میں ہو گی۔

اگر کوئی شخص یہ سمجھ کر بیٹھ جائے۔ کہ کامیابی بغیر محنت کے حاصل ہو جائیگی ۔ تو ایسا شخص سخت حماقت اور خود فریبی کا شکار ہے۔ ہاتھ ہلائے بغیر کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ عقل مند انسان کو کسی بھی صورت میں خیالی پلاؤ نہیں پکانا چاہئے۔ کیونکہ ایسا سوچنے اور سمجھنے کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ کچھ لوگ ہوائی قلعے بنانے کے عادی ہوتے ہیں۔ وہ زندگی میں کبھی کامیاب نہیں ہوتے۔ ہمیں چاہئے۔ کہ ہم کوئی نہ کوئی کام ضرور کرتے رہیں۔ خواہ مٹی کے کچے گھروندے ہی بناتے رہیں۔

"مسٹر لیس" بیان کرتے ہیں۔ کہ میرے پاس بہت سے لوگ اس لئے آتے ہیں۔ کہ میں ان کے بچوں کو مصوری سکھا دوں۔ یا کوئی بہتر مشورہ دوں۔ ان کو میں یہ جواب دیتا ہوں۔ کہ آپ کا بچہ جو کچھ بھی کرنا چاہتا ہے۔ اسے بس اتنی ہدایت ضرور کرتے رہیں۔ کہ وہ خوب محنت کرتا رہے۔ اگر وہ محنت شاقہ کرتا رہے گا۔ تو اپنے مقصد میں ضرور ایک نہ ایک کامیاب ہو کر اپنا نام روشن کرے گا۔ صرف محنت ہی ایسی چیز ہے۔ جو انسان کی کامیابی کی ضمانت ہے۔

میں آپ کو ایک امیر آدمی کا قصہ سناتا ہوں۔ جس کے تین بیٹے تھے۔ اس آدمی کی دولت کا کوئی حد و حساب نہ تھا۔ اس کے باوجود اس نے اپنے تینوں بیٹوں کو اعلیٰ تعلیم دلائی۔ اور ان کی ہر طرح دل جوئی کرنے کی پوری کوشش کرتا رہتا تھا۔ جب اس کا ایک بیٹا پڑھ لکھ کر ڈاکٹر دوسرا وکیل اور تیسرا تاجر بن گئے۔ تو امیر آدمی کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ کیونکہ اس کی تمام امیدوں کا مرکز اس کے بیٹے تھے۔ وہ انہیں ہر وقت محنت سے کام کرنے کی نصیحت کرتا رہتا تھا جب اس کے ڈاکٹر بیٹے نے عملی زندگی میں قدم رکھا۔ تو اس کے کلینک پر مریض بہت کم آتے تھے اگر کوئی بھولا بھٹکا آ بھی جاتا۔ تو ڈاکٹر اس کی طرف کوئی توجہ نہ دیتا۔ وکیل بیٹے نے جب اپنی وکالت کا آغاز کیا۔ تو اس کے پاس بھی موکل بہت کم ہی آتے تھے۔ کیونکہ وہ انکی پریشانیوں کے ازالے کے لئے قانونی نکات سے انکی تسلی نہ کرتا تھا۔ یہی انجام تیسرے بیٹے کا تھا۔ وہ جب کاروبار کرنے کے لئے بازار میں جا بیٹھا تو اس کا جی کاروبار میں نہ لگتا تھا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا۔ کہ چند ہی دنوں میں اس کا کاروبار میں لگایا ہوا روپیہ ختم ہو گیا۔ ان کا والد بار بار تینوں کو ہدایت کرتا رہتا۔ کہ وہ اپنے اپنے کاموں میں اپنا جی لگانے کی کوشش کریں۔ اور خوب محنت سے کام کریں تو بہت جلد کامیابی ان کے قدم چومے گی۔ کفایت شعاری کو اپنائیں۔ تو ان کی آمدنی میں اضافہ ہو گا۔ بیٹے باپ کی باتیں ایک کان سنتے دوسرے سے نکال دیتے یہی نہیں بلکہ باپ کی روز روز کی نصیحتوں سے تنگ آجاتے تو جواب دیتے ابا جان ہمیں محنت کرنے سے کیا حاصل ہو گا۔ کیا ہمارے گھر میں دولت کی کمی ہے۔ اگر ہم کچھ بھی نہ کریں تو بھی آپ کی جمع شدہ دولت ہمیں زندگی بھر کافی ہے۔

کیا آپ جانتے ہیں۔ کہ ان بیٹوں کا کیا حشر ہوا؟ جب ان کے باپ نے اس دنیا سے کوچ کیا تو بیٹوں کی آرام طلبی کی وجہ سے تمام دولت چند ہی ماہ میں ختم ہو گئی تب جا کر کہیں ان کی آنکھیں کھلی۔

پطرس اعظم کو کون نہیں جانتا۔ وہ ایک بہت بڑی سلطنت کا حکمران تھا۔ اس نے یہ سلطنت اپنی محنت شاقہ سے حاصل کی تھی۔ شاید ہی کسی حکمران نے اتنی محنت کی ہو گی۔ میں آپ کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ پطرس نے اپنا شاہی لباس زیب تن کرنے کے لئے ایک غریب مزدور جیسا لباس پہنا۔ جو جگہ جگہ سے پھٹا ہوا تھا۔ اسے معلوم تھا۔ کہ روسی لوگ تجارت اور صنعت و حرفت سے واقفیت نہیں رکھتے۔ اس نے سب سے پہلے روسیوں کو صنعت و حرفت سے روشناس کرانے کے لئے ممالک غیر کا سفر اختیار کیا۔ وہ پہلے پہلے ہالینڈ پہنچا۔ اور جہاز بنانے کے ایک بڑے کارخانہ میں بطور مزدور کام شروع کیا۔ تھوڑے ہی دنوں میں وہ اس فن میں ماہر ہو گیا۔ جہاں سے وہ انگلستان چلا گیا۔ اور وہاں مختلف فنون جیسے کاغذ بنانا لکڑی چیرنا، رسے بنانے کے طریقے سیکھے، وہ ان تمام کاموں کو سیکھنے کے لئے ایک مزدور کی حیثیت سے کام کرتا رہا۔ وہ یہ سب کام اس لئے کرتا تھا کہ وہ جان سکے کہ ایک مزدور کی کیا مشکلات ہوتی ہیں۔ اس کی راہ میں کیا کیا رکاوٹیں آتی ہیں۔ ان کو کس طرح دور کیا جاتا ہے۔ وہ کچھ ماہ طرح کی بھٹیوں میں مختلف قسم کی ہنر سیکھتا رہا۔ جہاں سے اسے بہت معمولی یعنی اٹھارہ پونڈ ماہانہ اجرت ملتی تھی۔ اس اجرت کو حاصل کر کے اسے بہت خوشی حاصل ہوتی تھی لیکن اس کے ساتھی اس کی ان حرکات کو نہ سمجھ سکتے تھے۔ مسلسل کام کرتے کرتے جب پطرس اعظم کے جوتے گھس کر بیکار ہو گئے۔ تو اس نے اپنی قلیل آمدنی سے جمع کی ہوئی رقم سے نئے جوتے خریدے تو اسے بے انتہا خوشی حاصل ہوئی۔ ایسے موقع پر اس نے پر مسرت اعلان کیا" یہ جوتے میں نے اپنے خون پسینے کی کمائی سے خریدے ہیں"

دنیا کے مشہور موجد جس کا نام ایڈیسن تھامسن ہے۔ ہر ایجاد کی تکمیل کے بعد کہا کرتا تھا" جب میں کسی ایجاد کو مکمل کر لیتا ہوں۔ تو مجھے یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ میرے لئے اب اس میں کوئی دلچسپی باقی نہیں رہ گئی ہے"کیا کوئی شخص یہ بھی سوچ سکتا ہے۔ کہ کام سے محبت کرنے والے انسان کے لئے کسی ایجاد کا بدلہ یا انعام رنج بھی ہو سکتا ہے۔ جو اس ایجاد سے حاصل ہوتا ہے اس کے باوجود تھامسن ایڈیسن یہ کہتا تھا کہ "میں اپنی ذات سے متعلق یہ بات وثوق سے کہہ سکتا ہوں۔ کہ ایسا ہرگز نہیں۔" اس کا یہ بھی کہنا تھا۔ کہ اسے اپنی پوری زندگی میں جو لطف اور خوشی ان دنوں حاصل ہوئی تھی جب وہ ایک غریب لڑکا تھا۔ اور تار برقی کی ترقی کے لئے کوشش شروع کیں تھیں۔ اور بہت معمولی آلات اور اوزاروں کی مدد سے یہ کام شروع کیا تھا میری تمام ایجادیں میرا انتھک مسلسل اور پر خلوص محنت کا صلہ ہیں

جرمنی میں بنائی جانے والی تالوں کی چابیوں پر یہ الفاظ کندہ کئے گئے تھے" سہل انگاری مجھے زنگ آلود کر دے گی یہ ایک حقیقت بھی ہے۔ اگر لوہے کو بیکار پڑا رہنے دیا جائے۔ تو اسے زنگ لگ جاتا ہے انسان کا بھی یہی حال ہے۔ کہ اگر وہ کام نہ کرے اور آرام سے بیٹھا رہے تو وہ بھی آرام طلب ہو جاتا ہے یعنی اسے بھی زنگ لگ جاتا ہے۔"

ایسا ہی ایک واقعہ پریذیڈنٹ ٹائیلر سے متعلق بیان کیا جاتا ہے۔ کہ جب ان کے عہدہ صدارت کی مدت مکمل ہوئی۔ تو ان کے سیاسی مخالفوں نے ان کی ڈیوٹی سڑکوں کی پیمائش کرنے پر لگا دی۔ کیونکہ وہ لوگ چاہتے تھے۔ کہ مسٹر ٹائیلر اس کام کو اپنی توہین خیال کریں گے اور تکمیل فرض سے انکار کر دیں گے آپ یقیناً حیران ہوں گے۔ کہ سابق صدر ٹائیلر نے یہ کام خوشدلی سے اس طرح انجام دیا۔ کہ ان کے دوستوں نے جو محنت مشقت کو تذلیل گردانتے تھے۔ مسٹر ٹائیلر کو کام چھوڑنے کا مشورہ دیا۔ مگر ان کا یہ عمل اپنے محنت سے جی چرانے والے احباب کے لئے ایک باوقار عبرت تھا۔ گو خاموش کام تھا۔ انہوں نے اپنے تمام ہی خواہوں کو مختصر مگر جامع جواب یہ دیا۔ کہ صاحبو! میں کسی عہدہ کو قبول کرنے سے بھی انکار نہیں کرتا۔ اور نہ ہی ایسے حقیر کاموں سے استعفیٰ دیا کرتا ہوں۔

اب مسٹر ٹامس کارلائیل کے کام کی عظمت سے متعلق خیالات پیش کئے جاتے ہیں۔

کو کسی اور برکت کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہی۔ اور نہ ہی ان کو کسی اور برکت کا طلب گار ہونا چاہئے۔ کیونکہ انہیں کام مل گیا ہے۔ اور اس کام سے وہ اپنی زندگی کا مقصد و مدعا حاصل کر سکتے ہیں۔ اس کام کے دریا سے وہ اپنی زندگی کے بدبودار کیچڑ کو اور دلدل کو اپنے شریفانہ خیالات اور طاقت کو بروئے کار لا کر ختم کر سکتا ہے۔ کیونکہ ایسا کرنے سے ہر لمحہ ایک زیادہ گہرا بنانے والا دریا بنتا رہتا ہے۔ اور اپنے قرب و جوار میں جمع ہو جانے والے گندے اور تعفن پھیلانے والے پانی کو اپنے ساتھ بہا کر لے جاتا ہے۔ اور اس کی جگہ سرسبز مرغزار بنتا چلا جاتا ہے۔ اور ان مرغزاروں میں صاف ستھرے پانی کی ندیاں بہنے لگتی ہیں۔ اور یہ ندیاں ان سبزہ زاروں اور بیل بوٹوں کے لئے نعمت غیر مترقبہ کا کام کرتی ہیں۔ ندیاں خواہ بڑی ہوں یا چھوٹی اس سے مرغزاروں پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔ کیونکہ زندگی کا اصل نام ہی محنت ہے۔ مسٹر ٹامس کارلائیل یہ بھی کہتے ہیں۔ کہ انسان کے پاس عقل و علم نام کی کوئی چیز نہیں ہوتی بلکہ صرف وہی کچھ ہوتا ہے۔ جو وہ خود محنت کر کے حاصل کرتا ہے۔ اس کے علاوہ باقی سب کچھ خام خیالی اور مفروضہ ہوتا ہے۔

اس کا یہ بھی کہنا ہے کہ کرو کچھ کرو۔ کچھ کر کے دکھاؤ۔ کچھ نہ کچھ پیدا کرو۔ اس بات کی طرف دھیان نہ دو۔ کہ تمہارا کام حقیر نوعیت کا ہے۔ یا اس کا نتیجہ معمولی ہی کیوں نہ ہو۔ وہ خدا کا واسطہ دے کر تاکید کرتا ہے۔ کہ اپنے کام کو پایہ تکمیل تک پہنچانا آپ کی ذمہ داری ہے۔ اسے کمتر اور معمولی ہرگز نہ سمجھو۔ اور جو خوبیاں تمہارے اندر چھپی ہوئی ہیں۔ انہیں باہر نکالو اور بروئے کار لاؤ۔ وہ بار بار ایک ہی بات پر زور دیتا ہے کہ اٹھو، اٹھو، اور کوشش کرو۔ جو کام تمہیں کرنا ہے۔ اسے پوری دیانتداری اور محنت سے مکمل کر دکھاؤ۔ اور کام کی تکمیل میں ہی تمہاری کامیابی کا راز نہاں ہے۔

ایک صاحب عقل و خرد کا قول ہے۔

"ہر بے کار شخص ایک مردہ انسان کے موافق ہے۔ کیونکہ انسان زندہ صرف اسی وقت خیال کیا

جاتا ہے۔ جب وہ کسی دوسرے شخص کے لئے کام کر رہا ہوتا ہے۔ جس سے اس دوسرے شخص کو فائدہ بھی حاصل ہو رہا ہو"

اسی دانشمند کا کہنا ہے۔ کہ کچھ لوگ بیس سال کی عمر میں پیدا ہوتے ہیں۔ کچھ تیس سال کی عمر میں جبکہ کئی تو پچاس یا ساٹھ سال کی عمر میں پیدا ہوتے ہیں۔ بعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں۔ جو اپنی موت سے ایک یا دو گھنٹہ پہلے پیدا ہوتے ہیں۔

ایسا کہنے سے اس کی مراد یہ ہے۔ کہ بیس، تیس، پچاس یا ساٹھ سال کی عمر کو پہنچ یہ لوگ دوسروں کے فائدہ کے لئے کام کرتے ہیں۔ حقیقت میں زندہ وہی لوگ ہوتے ہیں۔ جو دوسروں کے لئے زندہ رہتے ہیں۔ اپنی ذات کے لئے تو ہر کوئی کام کرتا رہتا ہے۔ لیکن زندہ وہی لوگ کہلانے کے حقدار ہوتے ہیں۔ جو دوسروں کے لئے کام کرنے کی خاطر زندہ رہتے ہیں۔

مشہور فرانسی ناول نویس ایمل زولا کا قول ہے کہ کام ہی دنیا کا سب سے بڑا قانون ہے اور کام ہی کی وجہ سے منظم مادہ آہستہ آہستہ مگر مکمل اطمینان سے اپنی منزل کی جانب سفر کرتا رہتا ہے۔ ایمل زولا کا یہ قول ہمیں درست لگتا ہے۔ کیونکہ اس وسیع و عریض کائنات میں ایک ذرہ بھی ایسا دکھائی نہیں دیتا۔ جسے بے کار کہا جا سکے۔ کیونکہ کائنات کی ہر چیز اپنے مقصد کی تکمیل میں مصروف دکھائی دیتی ہے۔ اور زندگی کے معنی بھی یہی ہیں۔ اور قانون قدرت بھی اسی کو کہا جاتا ہے۔

جب ہم کسی چیز کو استعمال کرنا بند کر دیتے ہیں۔ تو وہ چیز بے کار ہو جاتی ہے۔ جس طرح لوہے کو پڑے رہنے سے زنگ آ جاتا ہے۔ اسی طرح جب ہم اپنے اعضائے جسمانی سے کام لینا بند کر دیتے ہیں۔ تو اس میں ایک طرح کا تنزل شروع ہو جاتا ہے۔ کیونکہ قدرت ہمیں وہی شے عطا کرتی رہتی ہے۔ جسے ہم استعمال کرتے رہتے ہیں۔ اور جن چیزوں کو زیر استعمال نہیں لاتے۔ قدرت انہیں ہم سے واپس لے لیتی ہے۔ یا ان کو دنیا بند کر دیتی ہے۔

عاقلوں کا کہنا بھی خوب ہے۔ کہ ہر روز خواہ حالات کیسے ہی کیوں نہ ہوں یعنی بارش ہو۔ چلچلاتی دھوپ ہو۔ آندھی یا طوفان ہو۔ خواہ ہمیں درد سر ہو یا کوئی اور تکلیف ہمیں ایک خاص مقام پر اپنا فرض اور ذمہ لگایا گیا کام کرنے کے لئے جانا ہی پڑتا ہے۔ اور پھر جب آٹھ دس گھنٹے کی جان لیوا مشقت کرنے کے بعد شام کو گھر لوٹتے ہیں۔ تو ہمارے جسم کا پوٹا پوٹا ایک خاص قسم کا سکون محسوس کر رہا ہوتا ہے۔ اگر ہم معمولی معمولی بہانے حیلے بنا کر اپنے بستر میں دبکے رہیں۔ تو بستر ہمیں اپنے اندر اس طرح جکڑ لیتا ہے۔ کہ ہم اس سے باہر ہی نہیں آ سکتے۔ آرام کے لئے بنیادی شرط ہی محنت ہے۔

اگر آپ بھی اپنی زندگی کو خوشحال اور کامیاب بنانا چاہتے ہیں۔ تو محنت سے جی نہ چرائیں بھی بیکار نہ بیٹھیں۔ جب آپ اپنا کام کچھ وقت تک کر لیں تو آپ کو آرام کرنے میں بھی ایک خاص لطف

حاصل ہوگا۔ اسے لئے تو کہتے ہیں۔ "بیکار سے بیگار بھلی"

جب آپ کام کے بعد آرام کریں گے تو آپ کو ضرور محسوس ہوگا۔ کہ کام کے بعد آرام میں کسقدر راحت اور مسرت چھپی ہوتی ہے۔

پیغمبر خدا حضرت سلیمان علیہ السلام نے کاہل کام چور اور ست الوجود انسان کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا ہے۔

"ذرا اور سولوں کچھ دیر اور انگڑائیاں توڑلوں ذرا اور ہاتھ سمیٹ کر اونگھ لوں"

دیانت داری

زندگی کے سفر میں دیانتداری کا بہت ہی اہم کردار ہے۔

دیانت داری سے متعلق چند اقوال پیش ہیں۔

1- پوپ پال کہتے ہیں:۔ دیانت دار انسان خدا تعالیٰ کی بہترین تخلیق ہے۔

2- پرنس کا کہنا ہے:۔ دیانت دار آدمی خواہ کتنا ہی غریب کیوں نہ ہو۔ وہ انسانوں کے درمیان ایک سلطان کا درجہ رکھتا ہے۔

3- ہنری کلے کا قول ہے:۔ میں پریذیڈنٹ بننے کی بجائے دیانتدار بننا زیادہ پسند کروں گا۔

4- آیزک ہیرو کہتے ہیں:۔ جس طرح خط مستقیم جیومیٹری میں دو نقاط کے درمیان چھوٹے سے چھوٹا خط ہوتا ہے۔ اسی طرح اخلاق میں دیانت داری سب سے چھوٹا راستہ ہے۔

صدر "جون کونسی" بیان کرتے ہیں۔ کہ ان کے بیٹے نے ان کے ڈیسک سے ایک کاغذ نکالا تو میں نے اسے حکم دیا کہ یہ کاغذ وہیں رکھ دے جہاں سے اس نے نکالا ہے۔ کیونکہ یہ کاغذ سرکاری ہے۔ اور ان پر صرف سرکاری کام ہی کیا جاسکتا ہے۔ اگر تمہیں کاغذ درکار ہے۔ تو دوسری دراز میں میرے ذاتی کاغذ پڑے ہیں۔ ان میں سے تم بھی لے سکتے ہو۔ کیونکہ میں سرکاری چیزوں کو اپنی ذات کے لئے استعمال کرنے کو پسند نہیں کرتا۔ ان کی اس بات سے ہمیں اس کی دیانتداری کا پتہ چلتا ہے۔

یہی نہیں جان کونسی سے متعلق اور بھی کئی باتیں مشہور ہیں۔ ان کی سچائی، وقت کی پابندی اور درستی کی مثالیں لوگ دوسروں کو دیا کرتے تھے۔

جن دنوں جون کونسی اسمبلی کے رکن تھے۔ تو ان کا ایوان میں داخل ہونا اس بات کی علامت سمجھا جاتا تھا۔ کہ کارروائی شروع کرنے کا وقت ہوگیا ہے۔ کیونکہ وہ کبھی بھی مقررہ وقت سے پہلے یا دیر سے نہیں آتے تھے۔ اگر کسی کو وقت ملاقات دیتے۔ تو خود اس بات کی پابندی کرتے تھے۔ کہ ملاقاتی کو ان کا انتظار نہ کرنا پڑے۔ ان کا کہنا تھا۔ کہ دوسروں کا وقت ضائع کرنا پرلے درجہ کی بددیانتی شمار ہوتی ہے۔ لہٰذا کسی کا وقت ضائع نہیں کرنا چاہئے۔

جارج واشنگٹن امریکہ کی کرسی صدارت پر براجمان ہونے سے پہلے میدہ کا کاروبار کیا کرتے تھے۔ ان کے کاروباری دوست یہ بات اچھی طرح جانتے تھے۔ کہ جارج اپنے کاروبار میں کسی بھی حالت میں بددیانتی کا ارتکاب نہیں کرتا۔ جب بھی اس کا مال مارکیٹ میں آتا۔ تو لوگ آنکھیں بند کرکے خرید لیتے تھے۔ اس کے مال کی ہر بوری پر اس کا نام لکھا ہوا ہوتا تھا۔ جو اس بات کی ضمانت ہوتا تھا کہ بوری میں مال کی کوالٹی اور وزن درست ہے۔ ان کا نام دیانت داری اور سچائی کے لئے پورے علاقہ میں مشہور تھا۔

چائے کے ایک تاجر کے متعلق مشہور تھا۔ کہ اس کی دکان پر صرف ایک ہی قسم کی چائے کی پتی فروخت کی جاتی تھی۔ جب تاجر سے پوچھا گیا۔ کہ وہ دیگر اقسام کی چائے کیوں فروخت نہیں کرتا۔ تو اس کا اس نے یہ جواب دیا۔ کہ میں اپنے گھر میں بھی یہی چائے کی پتی استعمال کرتا ہوں۔ اس لئے مجھے یقین ہے۔ کہ میرے گاہک کبھی بھی اس بات کی شکایت نہیں کرسکتے۔ کہ چائے کی پتی اچھی نہیں ہے۔

دیانت داری اور سچائی کا مشہور واقعہ سید عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ سے منقول ہے۔ کہ ایک دفعہ وہ ایک سفر پر روانہ ہوئے تو ان کی والدہ ماجدہ نے چالیس دینار ان کی گدڑی میں سی دیئے۔ اور بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہا۔ بیٹا ہو سکتا ہے۔ کہ میری تمہاری دوبارہ ملاقات نہ ہوسکے۔ میری ایک بات اچھی طرح سن سمجھ لو۔ اور وعدہ کرو کہ عمر بھر اس پر عمل کرتے رہو گے۔ جب بیٹے نے عمل کرنے کا وعدہ کرلیا۔ تو ان کی والدہ نے کہا۔ "بیٹا زندگی بھر جھوٹ نہ بولنا" ہونہار بیٹے نے یہ بات اپنے پلے باندھ لی۔ اس زمانے میں آج کے دور کی طرح سفری سہولتیں میسر نہ تھیں۔ لوگ قافلوں کی صورت پیدل سفر کرتے تھے۔ اور مہینوں سفر میں گزارتے تھے۔

سید عبدالقادر رحمتہ اللہ علیہ نے بھی ایک ایسے ہی قافلے میں شامل ہوکر سفر شروع کیا۔ اتفاق سے اس قافلے پر ڈاکوؤں نے حملہ کردیا۔ اور تمام مسافروں کا مال اسباب لوٹ لیا۔ ایک ڈاکو نے شیخ عبدالقادر کو پکڑ کر پوچھا کہ بتاؤ تمہارے پاس کتنا مال ہے۔ تو سید صاحب کو ماں سے کیا ہوا وعدہ یاد آیا۔ وہ برجستہ بولے۔ کہ میرے پاس چالیس دینار ہیں۔ ڈاکو نے ان کی پوری تلاشی لی۔ لیکن کچھ

ہاتھ نہ آیا۔ وہ ان کو اپنے دوسرے ساتھی کے پاس لے گیا۔ دوسرے ڈاکو نے بھی وہی سوال دہرایا۔ جس کا جواب سید عبدالقادر رحمتہ اللہ علیہ نے وہی دیا۔ کہ میرے پاس چالیس دینار ہیں۔ ڈاکو حیران تھے۔ کہ یہ لڑکا بلا خوف و خطر کہہ رہا ہے۔ کہ اس کے پاس مال ہے۔ جبکہ ہم نے اس کی مکمل تلاشی بھی لی ہے۔ اور کچھ نہیں ملا۔ یہ لڑکا جھوٹ بھی نہیں بول رہا۔ وہ انہیں اپنے سردار کے پاس لے گئے۔ اور پورا ماجرا کہہ سنایا۔ سردار نے خود بھی ان سے معلوم کیا۔ تو وہ کہنے لگے۔ کہ وہ دینار میری گدڑی میں سلے ہوئے ہیں۔ سردار نے حیرانگی سے پوچھا کہ تم نے جھوٹ کیوں نہیں بولا۔ اگر جھوٹ بول دیتے تو تمہارے دینار تو بچ جاتے۔ شیخ عبدالقادر رحمتہ اللہ علیہ نے جواب دیا۔ کہ میری والدہ نے مجھے روانگی سے پہلے نصیحت کی تھی۔ کہ بیٹا زندگی میں کبھی جھوٹ نہ بولنا۔ میں اپنی ماں سے کئے گئے وعدہ کو توڑنا گناہ سمجھتا ہوں۔ ڈاکوں کا سردار لڑکے کا یہ جواب سن کر سر سے پاؤں تک لرز گیا۔ اس نے اپنے دل میں خیال کیا۔ کہ لڑکا اپنی والدہ سے کس قدر ڈرتا ہے۔ کہ جھوٹ کے نزدیک بھی نہیں گیا۔ ایک میں ہوں۔ کہ اپنی پوری زندگی میں ایک دن بھی خدائے بزرگ و برتر کا حکم نہیں مانا اور مجھے خدا تعالیٰ کا ذرہ برابر بھی ڈر اور خوف نہیں ہے۔

یہ سوچ کر اس نے شیخ عبدالقادر رحمتہ اللہ علیہ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر وعدہ کیا۔ کہ میں اپنے سابقہ گناہوں کی معافی چاہتا ہوں۔ اور آئندہ کے لئے گناہ نہ کرنے کی قسم کھاتا ہوں۔ آپ گواہ رہیں۔ کہ میں آج سے گناہ کی زندگی سے توبہ کرتا ہوں۔ جب ڈاکوؤں کے سردار کی یہ حالت اس کے دیگر ساتھیوں نے دیکھی تو انہوں نے قافلہ کا تمام لوٹا ہوا سامان اس کے مالکوں کو واپس کر دیا اور سب نے اپنے ہتھیار سردار کے سامنے پھینک دیئے۔ اور ہمیشہ کے لئے گناہوں کی زندگی سے توبہ کر لی۔ اس واقعہ سے پتہ چلتا ہے۔ کہ صرف ایک لڑکے کے سچ بولنے کی وجہ سے کتنے لوگ گناہ کی زندگی سے کنارہ کش ہو گئے۔

163/13

ایمانداری اور سچائی کا ایک اور واقعہ پیش ہے۔

ایک شخص جس کا نام "ایلن" تھا نے کسی کے ساٹھ پونڈ دینا تھے۔ لیکن فی الوقت اس کے پاس ادائیگی کا انتظام نہ تھا۔ دوسری جانب قرض خواہ بار بار مطالبہ کر رہا تھا آخر تنگ آ کر اس نے عدالت سے رجوع کیا۔ اب مجبوراً ایلن نے ایک وکیل کو اس لئے مقرر کیا۔ کہ وہ کسی طرح عدالت سے کچھ دنوں کی مہلت دلوا دے۔ تاکہ اس کی ادائیگی کا بندوبست کیا جا سکے۔

جب عدالت کی کارروائی شروع ہوئی تو ایلن کے وکیل نے پہلا اعتراض یہ کیا کہ اسٹامپ پیپر جو عدالت کے سامنے پیش کیا گیا ہے۔ وہ جعلی ہے۔ اس پر ایلن کے دستخط بھی جعلی ہے۔ میرے موکل نے نہ تو ایسی کوئی تحریر لکھ کر دی ہے۔ اور نہ ہی کوئی دستخط کئے ہیں۔ وکیل نے ایسا اس

لئے کیا تھا۔ کہ مقدمہ میں طوالت پیدا ہو جائے تاکہ اس کا موکل ادائیگی کا بندوبست کر سکے۔ جب ایلن نے اپنے وکیل کا یہ اعتراض سنا تو عدالت میں کھڑا ہو کر وکیل سے کہنے لگا۔ میں نے تمہیں اس لئے وکیل مقرر نہیں کیا۔ کہ تم سچی بات کو جھوٹ ثابت کر دکھاؤ۔ میں تو کچھ مہلت چاہتا ہوں۔

عدالت میں موجود تحریر میں نے ہی لکھ کر دی تھی۔ اور اس پر کئے گئے دستخط بھی میرے ہی ہیں۔ عدالت کا جج یہ تمام گفتگو بغور سن رہا تھا۔ جج نے محسوس کیا۔ کہ ایلن کا وکیل شرمندگی سے سر جھکائے کھڑا تھا۔ جج کو ایلن کی صاف گوئی بہت پسند آئی۔ انہوں نے نہ صرف مقدمہ کی کارروائی ملتوی کر دی۔ بلکہ ایلن کو ساٹھ پونڈ کا بندوبست کرنے کے لئے معقول وقت بھی دیدیا۔ تاکہ وہ آسانی سے سب انتظام مکمل کر سکے۔

دیانت داری اور سچائی کا ایک اور واقعہ نذر قارئین کیا جاتا ہے۔

ایک دیہاتی سکول کے استاد نے اپنی اٹھارہ لڑکوں کی جماعت سے ایک مشکل لفظ کے ہجے پوچھے۔ لیکن کوئی لڑکا سوائے ایک چھوٹے لڑکے کے جو سب سے آخر میں بیٹھا تھا۔ درست ہجے نہ بتا سکا۔ جب چھوٹے لڑکے سے استاد نے ہجے دریافت کئے تو اس نے فر فر ہجے بتا دیئے۔ اس پر استاد بہت خوش ہوا۔ اور اس چھوٹے لڑکے کو آخری قطار سے اٹھا کر اپنی میز کے قریب پہلی صف میں بٹھا دیا۔ استاد نے اس لفظ کے ہجے خود ہی تختہ سیاہ پر اس لئے لکھ دیئے۔ کہ سب لڑکے اچھی طرح ذہن نشین کر لیں۔ جب چھوٹے لڑکے نے استاد کے لکھے ہوئے ہجے دیکھے۔ تو فوراً اپنی جگہ پر کھڑا ہو کر بولا۔ جناب میں نے بھی غلط ہجے کئے تھے۔ میں مفت میں آپ کی شاباش نہیں لینا چاہتا اور اسی وقت واپس اپنی پرانی نشست پر پچھلی صف میں جا کر بیٹھ گیا۔

آپ کو اندازہ ہو گیا ہو گا۔ کہ ایک چھوٹے سے بچے نے کس طرح دیانت داری سے کام لے کر سچی بات کہہ دی۔

ہم سب کو بھی اسی طرح ہمیشہ سچی بات کرنی چاہئے۔ اور ہمیشہ سچائی کا ساتھ دینا چاہئے۔ کیونکہ اس سے زندگی کے سفر میں بہت آسانیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔

کسی گرجا گھر کے بڑے پادری نے اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے ہوئے ان کا کفارہ ادا کرنے کا سوچا۔ اس کے اندر یہ خواہش اس لئے پیدا ہوئی تھی۔ کہ انسان اپنے گناہوں کا اعتراف کرنے سے ہمیشہ کے لئے بلند مرتبہ اور نام حاصل کر لیتا ہے۔ انہوں نے اسی گرجا کے ایک اور پادری کے سامنے یوں کہنا شروع کیا۔ "میں ہر قسم کے جرائم کا ارتکاب کرتا رہا ہوں" اس پر سننے والا پادری بولا۔

"آپ یقیناً سچ کہہ رہے ہیں" بڑے پادری نے مزید کہا۔ "میں فخر و غرور، کینہ پروری اور انتقام و غیرہ بھی طرح کے قبیح گناہوں کا مرتکب رہا ہوں" دوسرے پادری نے یہ سن کر اس کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے کہا۔ "اس بات میں بھی ذرہ برابر شک نہیں۔ آپ جو کچھ کہہ رہے ہیں لفظ بلفظ سچ ہے" دوسرے پادری کے منہ سے یہ الفاظ سنتے ہی معترف پادری غصہ سے آگ بگولا ہو کر چلایا۔ "اے بے وقوف انسان! میں نے جو کچھ بھی کہا ہے۔ یہ حرف بحرف درست نہیں" دوسرا پادری جو بڑے پادری کی بات سن رہا تھا۔ برجستہ بول اٹھا۔ واہ کیا خوب ہے۔ تو اس کا مطلب یہ ہوا ہے کہ "آپ بہت زیادہ جھوٹ بھی بول لیتے ہیں۔ کیوں؟ کیا یہ بھی غلط ہے" بڑے پادری کا سر یہ سنتے ہی ندامت سے جھک گیا۔

دیانتداری ہی کا ایک واقعہ یہ بھی ہے۔ کہ کسی گاؤں میں ایک تاجر اپنا سامان لے کر داخل ہوا۔ وہ شام تک وہاں بیٹھا رہا۔ لوگ ٹولیوں کی شکل میں آتے اور اس کا سامان دیکھ کر چلے جاتے۔ کوئی بھی اس کا خرید کرنے نیت سے نہ آیا۔ تاجر اداس بیٹھا تھا۔ کہ ایک امیر کبیر شخص وارد ہوا۔ اس نے تاجر کے مال میں سے دو چیزیں جن میں سے ایک کمبل اور دوسری ململ کا ایک تھان تھا۔ پسند کیں۔ اور خریدنے کی خواہش کی۔

تاجر سے سودا طے ہوا۔ کہ کمبل کے عوض تین سمور اور تھان کے عوض ایک سمور امیر آدمی ادا کرے۔ امیر آدمی اپنے گھر واپس گیا۔ اور وہاں سے پانچ سمور لے کر آیا۔ اور تاجر کو دیکر کہا۔ کہ یہ پانچوں سمور لے لو۔ اور کمبل اور ململ کا تھان حسب وعدہ میرے حوالے کر دو۔ تاجر نے دیکھا۔ کہ ان میں ایک سمور نہایت قیمتی تھا۔ اس نے امیر آدمی سے کہا۔ کہ یہ ایک سمور واپس لے لو۔ کیونکہ میں نے اپنا مال چار سمور میں فروخت کرنے کا سودا کیا تھا۔ لیکن امیر شخص بضد تھا۔ کہ اس نے پانچ سمور ادا کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ لیکن تاجر راضی نہ ہوا۔ اس نے صرف چار سمور قبول کئے۔ اور ساتھ ہی یہ بھی کہا۔ کہ "میں اپنی کمائی کو حرام نہیں کرنا چاہتا۔ اگر میں پانچوں سمور قبول کرلوں۔ تو میری ساری کمائی حرام ہو جائیگی" اس کی یہ باتیں سن کر امیر آدمی بہت خوش ہوا اور کہنے لگا۔ "میں تو تمہارا امتحان لینا چاہتا تھا" اب میں تم کو یہ پانچوں سمور بطور تحفہ دیتا ہوں۔ کیونکہ تم ایک سچے اور ایماندار تاجر ہو۔ پھر اس نے گاؤں کے لوگوں کو اس کا سامان خریدنے کے لئے کہا۔ امیر آدمی کا یہ کہنا تھا۔ کہ اس کا تمام مال پلک جھپکتے ہی بک گیا۔

نیو اور لینز میں تاجر جیکب بار کر نام کا رہتا تھا۔ اس کے کاروبار کی شہرت عام تھی یہی نہیں وہ اپنی دیانت داری میں بھی کافی مشہور تھا۔ ایک دفعہ اس کا مال بحری جہاز کے ذریعہ آنے والا تھا۔ کہ اسے کافی دیر ہو گئی۔ جیکب بار کر کو کچھ پریشانی لاحق ہو گئی۔ وہ ایک انشورنس کمپنی کے دفتر اس

غرض سے گیا۔ کہ جہاز کا بیمہ نئے سرے سے کرائے۔ کیونکہ جہاز کی سلامتی کو خطرہ لاحق تھا۔ بیمہ کمپنی نے پریمیم بڑھا کر جہاز کا بیمہ کرنے پر رضامندی ظاہر کی۔ لیکن جیکب بار کر پرانے ریٹ پر ادائیگی کرنے کے لئے تیار تھا۔ اور ان کی بات طے نہ ہو سکی اسی شب اسے خبر مل گئی۔ کہ اس کا جہاز غرق ہو چکا ہے۔ یہ خبر سن کر وہ خاموش رہا۔ اور پریشان ہونے کی بجائے اسے رضائے الٰہی سمجھ کر حوصلہ کر لیا۔ جب دوسرا سورج طلوع ہوا۔ تو بیمہ کمپنی کا ایجنٹ اس کے دفتر حاضر ہوا۔ اور بولا مسٹر جیکب ہماری کمپنی نے رات کو یہ فیصلہ کیا تھا کہ آپ کے جہاز کا بیمہ سابقہ ریٹ پر ہی کر لیا جائے۔ اور ہم نے تمہارے جہاز سے متعلق تمام کاغذات مکمل کر لئے ہیں۔ آپ مہربانی کر کے پریمیم ادا کر دیں۔ مسٹر جیکب بولے اب بیمہ کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ میرا جہاز غرق ہو چکا ہے۔ جس کی اطلاع مجھے مل چکی ہے۔ لیکن ایجنٹ نے اصرار کیا کہ اب پالیسی تیار ہو چکی ہے۔ آپ کسی صورت بھی فرار نہیں ہو سکتے۔ پریمیم تو آپ کو ادا کرنا ہی پڑے گا بڑی ردو کد کے بعد مسٹر جیکب نے پالیسی خرید لی۔ اس سودے میں بیمہ کمپنی کو اپنی جلد بازی بہت مہنگی پڑی۔ اور انہیں بھاری رقم بطور معاوضہ ادا کرنی پڑی اس کے ساتھ بہت جلد شہر میں یہ خبر عام ہو گئی۔ کہ بیمہ کمپنی نے خود کو دھوکا دے کر بیمہ کرنے میں جلدی کا مظاہرہ کیا۔ جبکہ مسٹر جیکب جہاز کا بیمہ نہیں کروانا چاہتے تھے۔ اس بات کا فیصلہ قارئین پر ہے۔ کہ مسٹر جیکب کو بیمہ کمپنی نے جو معاوضہ ادا کیا وہ اس کا حقدار تھا۔ یا نہیں کیا یہ معاوضہ وصول کرنا اس کو جائز تھا؟ اب میں دو ایسے واقعات پیش کرتا ہوں کہ جن میں دیانت داری کے دو مختلف پہلو دکھائی دیتے ہیں۔

پہلا واقعہ یہ ہے۔ مشہور مزاح نگار مسٹر مارک ٹوئین نے اپنی تصنیف میں لکھا ہے۔ کہ ایک آدمی کے پاس پرندوں سے متعلق ایک نہایت ہی معلومات افزا نایاب کتاب تھی۔ اگر کتاب کا مالک اس کتاب کو بذریعہ نیلام عام فروخت کرتا تو اس کو یقیناً ایک ہزار ڈالر سے بھی زیادہ دام وصول ہوتے۔ مگر اس کی سادگی کا یہ عالم تھا۔ کہ اس نے یہ نایاب کتاب ایک عام خریدار کو صرف ایک سو ڈالر میں فروخت کر دی۔ اور قطعاً ملول نہ ہوا۔ جبکہ خریدار یہ قیمتی کتاب صرف ایک سو ڈالر میں خرید کر بہت خوش تھا۔ کہ اسے ایک نایاب کتاب صرف معمولی قیمت میں ہاتھ آ گئی ہے۔

دوسرا واقعہ کچھ اس طرح ہے۔ کہ ایک عمر رسیدہ عورت کے پاس ایک قدیم نسخہ انجیل مقدس کا تھا۔ وہ اسے سو ڈالر میں فروخت کرنا چاہتی تھی۔ قدیم کتب کے ایک خریدار نے اس بوڑھی عورت کو بذریعہ خط اطلاع دی۔ کہ کہ اگر اس کے پاس موجود انجیل مقدس واقعی قدیم اور مکمل ہے۔ تو وہ اس کے عوض ایک ہزار ڈالر دلوا سکتا ہے۔ چند دنوں کے بعد اس شخص نے وہ نسخہ برٹش میوزیم کی انتظامیہ کو واقعی ایک ہزار ڈالر میں فروخت کروا دیا۔ اس طرح ایک آدمی کی

دیانت داری سے ایک بوڑھی عورت کو اپنی کتاب کی معقول قیمت وصول ہوئی۔

ہر دو واقعات کو پڑھ کر قارئین دونوں اشخاص کی نیت اور ایمانداری کا مقابلہ کریں۔ کہ کس نے دیانت داری سے کام لیا ہے۔

ایک مشہور شخص جس کا نام مرابو تھا کا مشہور قول ہے کہ:۔

"اگر دنیا میں کہیں بھی دیانتداری کا وجود نہ بھی ہو۔ تو بھی ہمیں لازم ہے کہ اسے ایجاد کر لیں۔ کیونکہ دیانتداری امیر اور معزز بننے کے لئے عمدہ اور یقینی ذریعہ ہے"

جو شخص دیانت دار نہیں۔ وہ نہ تو معزز کہلا سکتا ہے۔ اور نہ ہی امیر بن سکتا ہے۔ اب ایک ایسے دوکاندار کا واقعہ پیش ہے۔ جسے ایک ایماندار سیل مین کی ضرورت تھی۔ دکاندار نے سیلز مین کی ضرورت کا اشتہار ایک اخبار میں شائع کروایا۔ اگلے روز ایک نوجوان لڑکا دوکاندار کے پاس آیا اور اخبار کا حوالہ دیکر اپنی خدمات پیش کیں۔ دکاندار نے اس کا امتحان لینے کے لئے اس سے چند سوالات کئے جو یوں تھے۔

سوال: کیا تمہیں میری تمام شرطیں منظور ہوں گی؟

جواب: میں آپ کی ہر شرط منظور کرتا ہوں۔

سوال: اگر میں تمہیں یہ کہوں کہ تم خراب اور ناقص چاولوں کو اعلیٰ کہہ کر فروخت کرو تو کرو گے؟

جواب: یقیناً ہی کروں گا۔

سوال: اگر میں یہ کہوں کہ تم ملاوٹ شدہ مصالحہ جات کو عمدہ کہہ کر فروخت کرو۔ تو تم کیا کرو گے؟

جواب: جی میں گاہک کو مکمل یقین دلاوں گا کہ یہ خالص ہیں۔

سوال: اگر میں تمہیں باسی گوشت کو تازہ کہہ کر فروخت کرنے کا کہوں تو کیا ایسا کرو گے؟

جواب: مجھے گوشت کو تازہ بیان کرنے میں کوئی تامل نہ ہو گا۔

سوال: اگر میں کہوں کہ تم ناقص چائے کو اعلیٰ کہہ کر بیچو تو تمہارا ردعمل کیا ہو گا؟

جواب: حضور میں چائے کی اتنی خوبیاں بیان کروں گا۔ کہ گاہک خریدنے پر مجبور ہو جائے گا۔

آخر میں دکاندار نے کہا ٹھیک ہے۔ تم تنخواہ کیا لو گے۔ سیلز مین نے جواب دیا۔ کہ میں آپ سے

ہزار سو روپیہ فی ہفتہ لوں گا۔ کمیشن اس کے علاوہ ہو گی۔

دکاندار نے کہا تم نے بہت زیادہ معاوضہ طلب کیا ہے۔ جو مجھے منظور نہیں۔ سیلز مین بولا جناب عالی یہ معاوضہ زیادہ نہیں ہے۔ جھوٹ بولنے کا معاوضہ تو زیادہ ہوتا ہے۔ میں نے آپ کے ناقص مال کو عمدہ بیان کر کے بہت زیادہ فائدہ پہنچانا ہے۔ اگر آپ مجھے جھوٹ بولنے پر مجبور نہ کریں تو میں بہت معمولی معاوضہ یعنی ایک سو روپیہ فی ہفتہ پر کام کروں گا۔ کمیشن بھی نہیں لوں گا جب دکاندار نے سیلز مین کی یہ باتیں سنیں۔ تو بہت خوش ہوا۔ اور اس نوجوان کو اپنے کام پر یہ کہتے ہوئے لگا دیا۔ کہ میں تو آپ کی دیانتداری کا امتحان لینا چاہتا تھا۔ شکر ہے کہ مجھے تم جیسا ایماندار آدمی مل گیا ہے۔ اب مجھے کوئی فکر نہ ہو گا۔ میری آمدنی اور کاروبار میں کہیں بددیانتی کا گزر نہ ہو گا۔ اور سیلز مین کی ایمانداری نے دکاندار کو بھی ہمیشہ کے لئے ایماندار بنا دیا اب میں آپ کو ایک ایسے سیلز مین کا قصہ سناتا ہوں۔ جو بہت ایماندار اور دیانتدار تھا۔ واقعہ کچھ اس طرح ہے۔ کہ ایک دن چند خواتین ایک دکان میں داخل ہوئیں۔ انہوں نے گھوم پھر کر دکان میں موجود اشیاء کو دیکھا۔ سیلز مین سے چند باتیں کیں۔ اور بغیر کچھ خرید کئے دکان سے باہر نکل گئیں۔ دکان کا مالک یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ اس نے سیلز مین سے پوچھا کہ عورتیں کیوں واپس چلی گئیں۔ سیلز مین نے جواب دیا۔ جو کچھ وہ خریدنا چاہتی تھیں وہ ہماری دکان میں موجود نہیں۔ دکاندار نے کہا۔ تم ان کو کوئی دوسری چیزیں دکھا دیتے اور ذرا سا جھوٹ بول کر ان کی تسلی کرا دیتے۔ سیلز مین بول اٹھا۔ کہ میں کسی صورت بھی جھوٹ نہیں بول سکتا۔ اس پر دکان کا مالک سیخ پا ہو گیا۔ اور غصے میں کہنے لگا۔ مجھے تم جیسے سیلز مین کی ضرورت نہیں۔ تم کہیں اور اپنا انتظام کر لو۔ اس پر سیلز مین نے جواب دیا۔ کہ اگر آپ کی خاطر مجھے جھوٹ بول کر ملازمت کرنی ہے۔ تو میری طرف سے صاف انکار ہے۔ مجھے ایسی ملازمت کی ضرورت نہیں۔ جس میں مجھے ایمانداری سے ہاتھ دھونا پڑیں۔ میں ابھی اور اسی وقت آپ کی ملازمت چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ بہتر ہے۔ کہ آپ اپنے لئے کسی جھوٹے سیلز مین کا بندوبست کر لیں۔ یہ کہہ کر وہ دکان سے باہر چلا گیا۔

کیا آپ جانتے ہیں۔ کہ سیلز مین کا کیا انجام ہوا؟؟ دنیا جانتی ہے۔ کہ اس سیلز مین نے اتنی ترقی کی۔ کہ بہت بڑا اور باعزت تاجر بن گیا۔ لوگ اس کا نام بڑے احترام سے لیتے ہیں فورڈ کمپنی جو دنیا بھر میں کاریں، ٹرک اور بسیں بنانے کا بہت بڑا ادارہ ہے۔ یہ اسی سیلز مین کی ملکیت ہے۔

دیانتداری کی ایک بہت ہی عمدہ مثال نذر کرتا ہوں۔ یہ مثال مجھے میرے مرحوم ہیڈ ماسٹر صاحب نے دوران سبق کلاس روم میں سنائی تھی۔ انہوں نے بتایا۔ کہ لندن میں ایک دن میں کتابوں کی دکان پر گیا۔ جہاں ایک خاتون سیلز مین کھڑی تھی۔ میں نے اس سے انگریزی کا رسالہ "ریڈر ڈائجسٹ" طلب کیا۔ اس خاتون نے رسالہ اٹھا کر میرے حوالے کیا۔ میں نے قیمت دریافت کی۔ تو اس

نے مجھے نصف قیمت بتائی- میں حیران ہوا- کہ رسالہ بھی نیا ہے- قیمت اس پر درج ہے- لیکن خاتون آدھی قیمت کیوں طلب کر رہی ہے- میں نے اس سے وضاحت چاہی تو خاتون نے بتایا کہ وہ خود اس رسالہ کو شروع سے لیکر آخر تک پڑھ چکی ہے- اور یہ کاروباری بددیانتی ہوگی- کہ کسی استعمال شدہ چیز کی پوری قیمت وصول کی جائے- یہ سن کر میں نے دل میں خیال کیا- کہ کیا دنیا میں ایسے ایماندار لوگ آج بھی موجود ہیں-

یہ واقعہ ان دنوں کا ہے- جب برطانیہ اور نوآبادیوں میں کشمکش جاری تھی- اور نظام حکومت چلانے میں مشکلات پیش آرہی تھیں- اس وقت کے بادشاہ جارج سوئم نے اپنے کمشنرز ان نوآبادیوں میں حالات کو قابو میں لانے کے لئے روانہ کئے- ریاست نیو جرسی میں بھی ایک کمشنر اسی مقصد کے لئے پہنچا۔ اس نے وہاں کے ایک مشہور لیڈر "مسٹر ریڈ" سے کہا- کہ اگر وہ اپنے اثر و رسوخ سے حالات کو درست کرنے میں انگلستان کے تاجدار کی مدد کریں اور کشیدگی ختم کرا دیں تو حکومت برطانیہ انہیں انکی خدمات کے صلے میں دس ہزار پونڈ کی خطیر رقم پیش کر سکتی ہے- کیا آپ کو معلوم ہے- کہ مسٹر ریڈ نے کیا جواب دیا؟ مسٹر ریڈ نے کمشنر کو یہ جواب دیا- کہ مجھے آپ خرید نہیں سکتے- کیونکہ میں جو کچھ بھی ہوں- اسے خریدنے کے لئے شاید سلطنت برطانیہ کی تمام دولت بھی کافی نہ ہو-

دنیا میں ایسے لوگ آج بھی موجود ہیں- جو کسی بھی قیمت پر اپنی ایمانداری کا سودا نہیں کرتے

زندگی کا سفر ہو یا کاروبار دونوں میں ایمانداری' دیانتداری اور صاف گوئی انسان کے بہترین ساتھی ہیں- یہ تینوں ملکر قدم قدم پر آپ کی وفادار رہتی ہیں اور آپ کو کبھی بھی دھوکہ نہیں دیتیں- دھوکہ دینے کی بجائے یہ آپ کی حفاظت کا فریضہ انجام دیتی ہیں-

ایک دن لندن کے بازار میں ایک ہندوستانی جوتا خریدنے چلا گیا- اس نے جوتوں کی ایک دکان میں داخل ہو کر ایک جوتا پسند کیا- دکاندار سے قیمت پوچھی دکاندار نے جواب دیا- کہ قیمت کی پرچی جوتے پر لگی ہوئی ہے- ہندوستانی بولا پرچی تو میں نے دیکھی تھی- کیا آپ اس سے کچھ کم نہیں کر سکتے دکاندار نے گاہک کی طرف دیکھا اور پوچھا آپ کس ملک سے یہاں آئے ہوئے ہیں- گاہک نے بتایا کہ وہ ہندوستان سے آیا ہوا ہے- دکاندار نے یہ سن کر استفسار کیا- کہ کیا آپ کے ملک میں دکاندار جھوٹ بھی بولتے ہیں؟ دکاندار کا جواب سن کر گاہک کا سر ندامت سے جھک گیا- اور وہ جوتا خرید کئے بغیر دکان سے باہر چلا گیا-

اگر آپ اپنی زندگی میں کامیابیوں کے خواہاں ہیں- اور کامران ہونے کے تمنائی ہیں- آپ یہ بھی چاہتے ہیں- کہ دنیا آپ کی عزت و تکریم بھی کرے- تو ان مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے آپ پر لازم ہے- کہ دیانت داری اور سچائی کو کسی طرح بھی ہاتھ سے نہ جانے دیں- دیانت اور سچائی ہی آپ کے تمام ارادے پایہ تکمیل تک پہنچا سکتی ہیں-

میرے کچھ احباب سوال کرتے ہیں- کہ کاروباری دیانت کیا ہے- ان کے اس سوال کا جواب "مسٹر نپچر" کے اس قول میں موجود ہے-

بہت تھوڑے انسان ایسے ہیں- جن کو خرید و فروخت کے اخلاقی ضابطوں سے فائدہ حاصل نہ ہوتا ہو- ورنہ یہ ایک واضح حقیقت ہے- کہ کاروبار میں ایمانداری اور دیانتداری سے بہت زیادہ فائدہ ہوتا ہے- اور آپ کے کاروبار کی یقینی کامیابی کا راز بھی اسی دیانتداری میں پوشیدہ ہے- اگر آپ تھوڑے پیسے ادا کر کے زیادہ چیز حاصل کرنا چاہتے ہیں تو آپ یقیناً دکاندار کو نقصان پہنچانا چاہتے ہیں- اس کے برعکس اگر دکاندار زیادہ دام وصول کر کے گاہک کو کم چیز فروخت کرنا چاہتا ہے- تو وہ بھی گاہک کو دھوکہ دے رہا ہے- اگر آپ دو مختلف گاہکوں کو ایک ہی چیز مختلف ریٹوں پر بیچ رہے ہیں تو یہ بھی کاروباری بددیانتی ہے- اگر آپ کے گاہکوں کو ان اشیاء کی اصل قیمتوں کا علم ہو جائے تو لازمی دکھائی دیتا ہے- کہ وہ گاہک آپ کے کاروبار کو نقصان پہنچائے گا- یعنی وہ اپنے حلقہ احباب میں آپ کی بددیانتی کا چرچا کرے گا- اور آپ کو بدنام کرنے کی کوشش کرے گا- اس سے آپ کا کاروبار ضرور متاثر ہوگا-

اب میں آپ کو ایک ایسا واقعہ سناتا ہوں- جو خود میرے ساتھ پیش آچکا ہے- مجھے ایک غیر ملک کی بنی ہوئی دوائی کی ضرورت تھی- میں ایک کیمسٹ کی دکان پر پہنچا- اور اپنی مطلوبہ دوا طلب کی- دکاندار نے نفی میں جواب دیا- اتفاق سے وہ دوا میرے سامنے کی الماری میں پڑی ہوئی دکھائی دی- میں نے دکاندار کی توجہ اس دوائی کی طرف دلائی- دکاندار نے کہا- جناب یہ دوا نقلی ہے- گو اس پر لیبل اصلی لگا ہوا ہے- اور آپ نے غیر ملکی دوا طلب کی ہے- میں نے دوبارہ کہا- کہ ہو سکتا ہے- آپ اس لئے انکار کر رہے ہوں- کہ کچھ زیادہ قیمت طلب کرنا چاہتے ہوں- تو میں آپ کی مطلوبہ قیمت ادا کرنے کو تیار ہوں- دکاندار نے الماری سے دوا نکال کر میرے سامنے رکھی اور بیان کیا- کہ اس دوائی سے مریض کو فائدہ نہیں پہنچتا- میرا سوال تھا- کہ آپ نے اپنی دکان میں نقلی دوا کیوں رکھی ہوئی ہے- دکاندار کا جواب تھا- کہ کچھ گاہک سستی دوا خریدنے پر اصرار کرتے ہیں- اسی لئے ہمیں یہ دوائیں رکھنی پڑتی ہیں- میں نے دکاندار کو مشورہ دیا- کہ آپ صرف اصلی دوائیاں ہی رکھا کریں- کیونکہ یہ انسانی زندگی کا مسئلہ ہوتا ہے- نیز جو چیز آپ اپنے لئے پسند نہیں کرتے اسے دوسروں کے لئے بھی پسند نہ کریں- کیونکہ جعلی ادویات سٹاک کرنا- بیچنا دونوں اخلاقی طور پر بھی اور قانونی طور پر بھی جرم ہے- خدا تعالےٰ کا شکر ہے- کہ دکاندار پر میری باتوں کا ایسا اثر ہوا- کہ اس نے ایسی تمام ادویات جو نقلی اور جعلی تھیں- اپنی الماریوں سے نکال کر ڈبوں میں بند کر کے رکھ لیں اور وعدہ کیا- کہ وہ ان سب کو ان کمپنیوں کو واپس بھیج دے گا- جہاں سے یہ خریدی گئی تھیں- کچھ عرصہ بعد میری ملاقات اس کیمسٹ سے دوبارہ ہوئی- تو وہ شہر کے مشہور ترین کیمسٹ بن چکے تھے- نیز اس کا نام معیاری اور مناسب دام وصول کرنے والوں میں سرفہرست لیا جاتا ہے- یقین کیجئے- کہ

مجھے اتنی خوشی ہوئی کہ بیان نہیں کر سکتا۔

فرض شناسی اور کاروباری دیانت کی ایک ایسی ہی مثال مشہور امریکی اخبار نیویارک ٹائمز کے مالک سے تعلق رکھتی ہے نیویارک ٹائمز کو اس بات کے لئے کہ وہ نسلی دغابازیوں کو اپنے اخبار میں جگہ نہ دیں۔ دس لاکھ ڈالر پیش کئے گئے۔ اور اخبار میں ان کی جگہ دیگر مضامین چھاپ دیا کریں۔ اس پیش کش کو اخبار کے مالک مسٹر جارج جونٹز نے ٹھکرا دیا۔ اور ارباب اقتدار کو جواب دیا۔ کہ میں سمجھتا ہوں۔ کہ اس سے بڑھ کر شیطان بھی میری قیمت نہیں لگا سکتا۔ پھر اس کے اخبار کو خریدنے کی کوشش کی گئی۔ مسٹر جونٹز نے اخبار بیچنے سے صاف انکار کر دیا۔ مسٹر جارج جونٹز نے اپنے پورے عملہ کو طلب کر کے یہ ہدایت کی۔ کہ ان کے پاس نسلی دغابازوں سے متعلق جتنا بھی مواد موجود ہے۔ وہ سارے کا سارا جلد از جلد اخبار میں شائع کر دیا جائے جونہی یہ مواد اخبار میں شائع ہوا۔ تو حکومت نے ان تمام سیاسی اور رشوت خور لیڈروں کو فوری طور پر ملک بدر کر دیا۔

سابق امریکی صدر مسٹر ابراہیم لنکن کی دیانت داری کی مثال اس طرح بیان کی جاتی ہے۔ ان دنوں وہ صدر نہ تھے۔ بلکہ وکالت کے پیشہ سے منسلک تھے۔ ان کے پاس ایک موکل اپنا کیس لایا۔ مقدمہ کا تعلق زمین سے تھا۔ لنکن نے موکل کو مشورہ دیا۔ کہ سب سے پہلے آپ کو تیس ہزار ڈالر کی رقم پیش کرنا ہوگی۔ پھر آپ کا مقدمہ چل سکے گا۔ موکل نے ڈالر پیش کرنے سے معذوری ظاہر کی۔ لنکن نے اسے تسلی دی اور کہا۔ کہ وہ خود اس بھاری رقم کا بندوبست کرنے کی کوشش کر دیکھتے ہیں۔ اتنا کہہ کر وہ قریبی بنک میں چلے گئے۔ اور وہاں کے خزانچی کو کہا۔ کہ اسے دو گھنٹوں کے لئے تیس ہزار ڈالر کی ضرورت ہے۔ کیونکہ ایک قانونی دستاویز لکھنی ہے۔ دو گھنٹوں بعد رقم آپ کو واپس دیدی جائیگی۔ بنک کے خزانچی نے فوراً مبلغ تیس ہزار ڈالر کے کرنسی نوٹ لنکن کے حوالے کر دیئے۔ اور ان سے کسی قسم کی رسید بھی حاصل نہ کی۔

لنکن کے متعلق یہ بات بھی مشہور تھی۔ کہ وہ کسی مقدمہ کو اس وقت تک ہاتھ میں نہ لیتے تھے۔ جب تک انہیں یہ یقین نہ ہوتا تھا۔ کہ ان کا موکل حق پر ہے۔ اور وہ مقدمہ جیت بھی جائے گا۔ ان کی یہ بات اتنی زیادہ مشہور ہوگئی تھی۔ کہ عدالت میں جب بھی وہ کوئی مقدمہ لاتے تو پوری عدالت جس میں جج، جیوری، وکلا اور ناظرین سب یہ سمجھ لیتے تھے۔ کہ لنکن کا موکل مقدمہ جیت جائے گا۔

ابراہیم لنکن کی وجہ شہرت ان کی دیانتداری اور اصول پسندی اور سچائی تھی۔ گو وہ بحیثیت صدر امریکہ بھی ایک خاص مقام رکھتے تھے۔ صدر بننے سے پہلے انہوں نے بطور پوسٹ ماسٹر خدمات انجام دیں۔ کیونکہ جن دنوں وہ وکالت کرتے تھے۔ وہ خاصے خستہ حال تھے۔ ایک دن محکمہ ڈاک کا ایک ایجنٹ ان کے پاس سرکاری واجبات کا بقایا طلب کرنے کے لئے حاضر ہوا۔ اس بات کی بھنک کہیں سے ڈاکٹر ہنری

کو بھی لگ گئی۔ وہ بھی مذکورہ ایجنٹ کے ساتھ اس لئے چلے آئے۔ کہ اگر لنکن کے پاس روپیہ نہ نکلا تو وہ اپنی جیب سے ادا کر دیں گے۔ ڈاکٹر ہنری کو علم تھا۔ کہ لنکن کی مالی حالت کافی خراب ہے۔ ایجنٹ نے لنکن سے بقایا رقم کا مطالبہ کیا۔ تو لنکن نے اس سے کچھ وقت مانگا۔ وہ اسی وقت اپنی قیام گاہ کی طرف گئے اور تھوڑی ہی دیر کے بعد ایک پرانا موزہ (جراب) ہاتھ میں لئے واپس آئے۔ آتے ہی اس موزہ میں ہاتھ ڈال کر مطلوبہ رقم پوری کی پوری ایجنٹ کے حوالے کر دی۔ اب ان کے ذمہ کوئی مزید بقایا نہ رہا لنکن کہتے ہیں کہ انہوں نے یہ رقم سنبھال کر رکھی ہوئی تھی۔ اور انکی عادت ہے۔ کہ وہ اس رقم کو کسی بھی وقت استعمال نہ کرتے تھے۔ جو ان کی نہ ہوتی تھی۔

لنکن کی زندگی کا یادگار واقعہ کا تعلق اس زمانہ سے ہے۔ جن دنوں وہ ایک دکاندار تھے۔ ایک دن ایک بوڑھی اور غریب عورت ان سے کچھ سامان خریدنے کے لئے آئیں۔ سودا لینے کے بعد ریزگاری واپس کرتے ہوئے لنکن سے کچھ غلطی ہوگئی۔ عورت چلی گئی۔ جب لنکن کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ انہوں نے اسی وقت دکان بند کی۔ اور رات کے اندھیرے میں چھ میل دور اس عورت کے گھر جا کر ریزگاری کا بقایا ادا کیا۔ انہوں نے اس بات کا بھی انتظار نہ کیا۔ کہ وہ عورت پھر اس کی دکان پر آئے گی تو بقایا ادا کر دیتا۔ اس کی اس دیانت داری کا اتنا چرچا ہوا۔ کہ انسانی دیانت داری کا یہ واقعہ عبادت گاہ میں گولڈن حروف سے لکھا گیا۔

ابراہیم لنکن کہا کرتے تھے کہ

"بددیانتی ایک زخم ہے۔ جسے میں اپنی پاکیزہ روح میں نہیں لگا سکتا"

اس بات کے آخر میں ایک ایسا قصہ سناتا ہوں۔ جو ملاوٹ کرنے والوں کے متعلق کسی نے لکھا ہے۔ قصہ یوں ہے۔ کہ ایک دفعہ چار مکھیاں بہت بھوکی تھیں۔ کیونکہ کئی دنوں سے انہیں کھانے کو کچھ نہ ملا تھا۔ وہ چاروں اڑتی اڑتی ایک بازار میں پہنچیں۔ ایک مکھی جو بہت جلد باز تھی۔ ایک حلوائی کی دکان میں داخل ہوگئی۔ اور مٹھائی کھانے لگی۔ اس نے پیٹ بھر کر مٹھائی کھائی۔ اور ابھی اڑنے کا سوچ ہی رہی تھی۔ کہ اڑنے سے پہلے ہی غش کھا کر گری اور مرگئی۔ کیونکہ مٹھائی میں زہریلا رنگ ملایا گیا تھا۔ جب دوسری مکھی نے اپنی ساتھی کا یہ حال دیکھا تو وہ مٹھائی کی دکان کی بجائے ایک میدے والی دکان میں پہنچی۔ اس کا خیال تھا۔ کہ میدہ تو خالص ہوگا۔ اس نے بھی اپنی بھوک میدہ کھا کر مٹائی۔ لیکن فوراً ہی اس کے معدہ میں درد اٹھا اور وہ بھی تڑپ تڑپ کر اللہ کو پیاری ہوگئی کیونکہ میدے میں پھٹکڑی ملی ہوئی تھی۔ تیسری مکھی نے میدہ کھانے کی بجائے دودھ کی دکان پر حملہ کیا۔ اور اپنی پیاس دودھ پی کر بجھائی۔ دودھ پیتے ہی اس کے پیٹ میں درد اٹھا اور وہ بھی مرگئی۔ پتہ چلا کہ دودھ میں چاک ملایا گیا تھا۔ چوتھی مکھی نے سوچا کہ ساتھیوں کے بغیر جینے کا کوئی فائدہ نہیں وہ اڑتی ہوئی ایک دوائیوں کی دکان میں داخل ہوئی۔ وہاں اس نے ایک کاغذ

دیکھا۔ جس پر زہر لگا ہوا تھا۔ اور مکھیاں مارنے کے لئے رکھا گیا تھا۔ اس نے خیال کیا۔ کہ خودکشی کے لئے اس بہتر طریقہ اور کوئی نہیں۔ وہ اڑ کر زہریلے کاغذ پر جا بیٹھی اور کاغذ پر لگا ہوا زہر چاٹنا شروع کر دیا۔ جوں جوں وہ زہر چاٹتی جاتی تھی۔ اس کی صحت بہتر سے بہتر ہوتی جاتی تھی۔ وہ یہ جان کر سخت مایوس ہوئی۔ اور یہ کہتی ہوئی وہاں سے اڑ گئی۔ کہ اب تو مرنا بھی آسان نہیں کیونکہ ظالم دکانداروں نے زہر میں بھی ملاوٹ کر دی ہے۔

یہاں مجھے پیغمبر اسلام کی ایک حدیث یاد آئی ہے۔ جس کا صرف ترجمہ پیش ہے

"جس نے ملاوٹ کی وہ ہم میں سے نہیں"

بری عادات سے پرہیز کیجئے

عنوان بالا پر کچھ لکھنے سے پہلے مناسب سمجھتا ہوں۔ کہ چند مشاہیر کے اقوال پیش کروں۔

1- : مسٹر بیکن کا کہنا ہے

عادات اگر دانائی اور حکمت سے اپنائی جائیں۔ تو وہ دراصل طبیعت ثانیہ بن جاتی ہیں۔

2- : لیر نمن کا خیال ہے

عادات اپنی آہنی قوت کے ذریعہ ہماری رہنمائی کرتی رہتی ہیں۔

3- : مسٹر ہیزلٹ کا قول ہے

عادات کی زنجیر انسانی دل کے گرد سانپ کی طرح کنڈلی مار لیتی ہے۔ اور پھر دل کو نوچ نوچ کر کھاتی رہتی ہیں۔

4- : جناب رابرٹسن فرماتے ہیں

اگر تمہاری عادت دروغ و کذب کی ہے۔ اور تم جھوٹ اور فریب کی زندگی بسر کرتے ہو۔ تو تم اچانک سچائی اور دیانتداری کے راستے پر گامزن نہیں ہو سکو گے۔

5- : مسٹر ہکسن حذ نے فرمایا ہے

ہماری فطرت کی ذہنی اور اخلاقی تربیت میں یہ ایک بڑی خوبی ہے۔ کہ جو کام بطور فرض کیا جاتا ہے۔ اگر اسے بار بار کیا جائے تو وہ ہماری عادت بن جاتا ہے سخت اور کڑی نیکی کی عادت جس سے لوگ

گھبراتے ہیں۔ وہ ہماری گردن میں پھولوں کے ہار کی طرح لٹکی ہوئی اپنی سج دھج دکھاتی رہتی ہے۔

6- : مسٹر ہچر کہتے ہیں

دریائے مس سی پی کے دہانے پر پانی کا روکنا۔ اس میں آکر گرنے والی ندی نالوں کو اس سے الگ کرنا یا اس میں ملی ہوئی مٹی کے ذرے ذرے کو علیحدہ کرنا کسقدر ناممکن ہے۔ بس یہی حال ہماری عادات کا ہے۔ عادات مختلف جذبات واحساسات اور اعمال سے ترتیب پاتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب ہم انہیں ترک کرنے کا ارادہ کرتے ہیں۔ تو اکثر ناکام رہتے ہیں۔

7- : ایک دانشور کا قول ہے

اپنی عمر کے پہلے بیس سالوں کی اچھی طرح حفاظت کرو اور امید رکھو کہ آنے والے بیس سال تمہاری حفاظت کریں گے۔

8- : کسی نے کیا خوب کہا ہے

ہم عمل کا بیج بوتے ہیں اور عادات کا پھل کاٹتے ہیں۔ ہم عادت کا بیج بوتے ہیں اور کردار کا پھل کاٹتے ہیں۔

ایک نوجوان ماں نے کسی بزرگ حکیم سے کہا۔ حکیم صاحب! میں اپنے بچے کی تعلیم و تربیت کب سے شروع کروں۔ حکیم صاحب نے عورت سے دریافت کیا۔ آپ کے بیٹے کی اس وقت کتنی عمر ہے۔ بچے کی ماں نے جواب دیا۔ میرا بیٹا دو سال کا ہو چکا ہے۔ یہ سن کر حکیم صاحب نے نہایت سنجیدہ ہو کر کہا "تب تو تم نے پورے دو سال ضائع کر دیئے"۔

اچھی عادات کا تعلق ہماری خود ضبطی، ایثار نفس اور خود انحصاری پر منحصر ہیں۔ جبکہ بری اور خراب عادات خود رو گھاس پھوس کی طرح ہوتی ہیں۔ اور نیکی کے پودوں کی بڑھوتری میں رخنہ ڈالتی ہیں۔

اچھی یا بری عادات انسان میں بچپن ہی سے گھر کرنا شروع کر دیتی ہیں۔ جب آدمی کی عمر پچیس تیس سال کی ہو جاتی ہے۔ تو یہ ممکن نہیں ہوتا۔ کہ اس میں کوئی نئی تبدیلی آئے۔ کیونکہ جو عادات کم عمری ہی سے اس میں پرورش پا چکی ہوتی ہیں۔ وہ اسے کسی اور راستہ پر چلنے سے روکتی ہیں۔ جوانی کی عمر میں شاید و باید ہی کوئی بری عادات کو چھوڑ کر نیک اور اچھی عادات اپنا سکے۔ عادات سے تعلق رکھنے والے چند واقعات آپ کے تفنن طبع کے لئے پیش ہیں۔

امریکہ کے ڈاکٹر جانسن کی عادت تھی۔ کہ جب وہ بازار خرید و فروخت کے لئے جاتے تھے۔ تو اپنی راہ میں آنے والے ہر کھمبے کو ہاتھ لگاتے اور آگے بڑھتے جاتے۔ اگر اتفاق سے کوئی کھمبا چھونے اور ہاتھ لگانے سے رہ جاتا۔ تو واپسی میں لازمی طور پر اس کو ہاتھ لگاتے۔

ایک ادیب، جس نے مشہور شاعر سٹیفورڈ کی تاریخ لکھی تھی۔ کا کہنا ہے۔ کہ ایک مست الست دیوانے کا حال یہ تھا۔ کہ اس کے گھر کے پاس ایک گھنٹہ گھر تھا۔ جب بھی اس میں گھنٹہ کی گھنٹی بجتی۔ تو وہ دیوانہ اسے گنتا رہتا تھا۔ اور اس کی پختہ عادت بن چکی تھی۔ کہ وہ ہربار بجنے والی گھنٹی کو شمار کرتا تھا۔ چند سالوں کے بعد اتفاق سے گھنٹہ (گھڑیال) خراب ہوگیا۔ اور گھنٹی کی آواز آنا بند ہوگئی۔ لیکن وہ مست دیوانا حسب عادت عین ٹھیک وقت گھڑیال کی مدد کے بغیر گھنٹی کی آواز کو شمار کرتا رہا۔ اور کبھی اس کی گنتی میں منٹوں کا بھی فرق نہ آتا تھا۔

ایک انگریز مسٹر آئیرک وائس تک بندی کی عادت بد کا شکار تھے۔ ان کی اس عادت سے ان کے والد محترم سخت تنگ تھے۔ ایک دن انہوں نے اپنے بیٹے کو تک بندی کی عادت ترک نہ کرنے پر سزا دینے کا فیصلہ کیا۔ جب ان کے بیٹے کو والد کے ارادے کا علم ہوا۔ تو وہ چلا اٹھا اور کہا۔

- والد محترم اب کرو جو مجھ پہ کرم
تک بندی سے رہوں گا دور ہر دم

کیا خوب ہے۔ کہ بیٹے نے معافی طلب کرتے بھی تک بندی سے ہی کام لیا۔

اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ بچپن کی کسی عادت کو چھوڑنا آسان کام نہیں۔

بری یا اچھی عادات نسل در نسل اپنا سفر جاری رکھتی ہیں۔ اس بات کی تصدیق کے لئے مسٹر پیان پروفیسر بون یونیورسٹی (جرمنی) نے خاص طور پر تحقیقات کیں۔ انہوں نے سینکڑوں لوگوں کے حالات معلوم کئے۔ ان میں وہ لوگ بھی شامل تھے۔ جن کے باپ دادا شراب نوشی کے عادی تھے۔ پروفیسر پیان نے ایک عورت کے حالات خاص طور پر خود بھی زبانی بیان کئے۔ اس عورت کا نام "فرا ایڈا جرک" تھا۔ یہ عورت 1740ء میں پیدا ہوئی تھی۔ عادی شراب نوش تھی۔ چوری کرنا اس کا پیشہ تھا۔ اور انتہائی درجہ کی آوارہ گرد تھی۔ اس نے اپنی زندگی کے آخری چالیس سال انہی عادات خبیثہ میں بسر کئے۔ اور 1800ء میں ساٹھ سال کی عمر میں فوت ہوئی۔ اس کی نسل میں کل 834 افراد ہوئے جن میں سے صرف سات سو نو افراد کے حالات پیدائش سے موت تک مقامی دفاتر کے ریکارڈ میں موجود ہیں۔ جبکہ باقی ماندہ ایک سو پچیس کا کچھ پتہ نہیں۔ کہ وہ کب کہاں اور کیسے فوت ہوئے جن سات سو نو افراد کے حالات میسر ہوئے ان میں سے ایک سو چوالیس بھکاری بن گئے تھے۔ ایک سو چھ افراد غیر قانونی شادیوں کا نتیجہ تھے۔ باسٹھ افراد کی گزر بسر خیرات پر ہوتی تھی۔ چھتر افراد کو مختلف عدالتوں سے مختلف سزائیں سنائی گئیں۔ جبکہ انہی میں سے سات افراد کو موت کی سزا دی گئی۔ ایک سو اکیاسی عورتوں کو بد معاشی کی زندگی پسند تھی۔ اور انہوں نے اسی میں اپنی پوری زندگی گزار دی۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق صرف بہتر سال کے عرصہ میں اس خاندان پر قید خانوں اصلاح گھروں دارالامانوں اور خیرات گھروں کو ساڑھے بارہ

لاکھ ڈالر کی خطیر رقم خزانہ سرکار سے خرچ کرنا پڑی۔

مندرجہ بالا رپورٹ سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں۔ کہ عادات کا اثر کتنی دور تک سفر کرتا ہے۔ اور ان سے کیا کیا پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

ایک پادری مبالغہ کی عادت بد کا شکار تھے۔ اور اس بری عادت کی وجہ سے ان کی اپنی شہرت کو بھی کافی نقصان پہنچا۔ علاقہ کے گرجا گھروں کے پادرلوں نے ایک وفد تشکیل دیا۔ جس کا کام یہ تھا۔ کہ وہ اس پادری کو کسی نہ کسی طریقہ سے اس مبالغہ کی عادت بد سے بچائیں۔ چنانچہ وہ اس کے پاس پہنچے۔ اور مختلف طریقوں سے اسے یہ باور کرانے کی کوشش کی۔ کہ اس کی اس عادت اس کی اپنی لیاقت و قابلیت داغدار ہو رہی ہے۔ اور دیگر پادریوں کو بھی اس کا نقصان پہنچ رہا ہے تمہیں چاہئے۔ کہ کسی نہ کسی طرح اس بری عادت کو خیرباد کہہ دیں۔

اس نے اپنی طرف آنے والے وفد کی باتیں بڑے غور سے سنیں، سمجھیں، اور آنے والوں کو بڑے شریفانہ طریقہ سے یہ جواب دیا۔

"دوستو اور بھائیو میں آپ لوگوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ کہ آپ نے اپنا قیمتی وقت میری خاطر ضائع کیا ہے۔ اور میرے غریب خانہ پر تشریف لائے۔ میرا فرض بنتا ہے۔ کہ آپ سے وعدہ کروں کہ میں اپنی اس بری عادت کو چھوڑ دوں گا۔ آپ یقین کریں کہ اپنی اس عادت بد سے خود بھی تنگ ہوں اور اس پر خود بھی اتنا ماتم کرتا ہوں۔ کہ اشکوں کے دریا بہنے لگتے ہیں"۔

جب وفد کے ارکان نے اس کی باتیں سنیں تو بول اٹھے۔ بھائی آپ اپنی عادت نہیں چھوڑ سکتے۔ لہٰذا ہم واپس جا رہے ہیں۔ خدا حافظ کہا اور اٹھ کر اپنے اپنے گرجا گھروں کو چلے گئے۔

مسٹر پچر کا کہنا ہے۔ کہ آپ نے اکثر تعلیمی اداروں اور دیگر جلسہ گاہوں میں لیکچر دینے والوں کو دیکھا ہوگا ان میں کچھ کی عادت ہوتی ہے۔ کہ اپنے ہاتھوں کو یوں حرکت دے رہے ہوتے ہیں جیسے ان پر صابن لگا کر دھویا جاتا ہے۔ کچھ اپنی ناک کو ہاتھ لگاتے رہتے ہیں۔ جیسے انہیں ناک پر خارش ہو رہی ہو۔ جبکہ کچھ اپنی ڈاڑھی کو انگلیوں سے کنگھی کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ کچھ اپنی مونچھوں کو تاؤ دیتے رہتے ہیں۔ اور کچھ یونہی اپنے ہاتھوں کو مختلف حرکات دیتے رہتے ہیں۔

جبکہ ہم عمر بھر کسی عادت پر عمل کرتے رہتے ہیں۔ اور ان کی ہستی سے متواتر انکار بھی کرتے رہتے ہیں۔ جیسے ایک آدمی پچاس پچپن سال کی عمر کا ہوتا ہے۔ اور کوئی دوسرا فرد اگر اچانک ایسا لفظ بول دے۔ جس سے اس کے دل کو سخت صدمہ پہنچتا ہے۔ یعنی اس کے کردار کی کوئی مخصوص خاصیت عیاں ہو جاتی ہے۔ حالانکہ یہ خاصیت اس کے اندر پچھلے پچاس سالوں سے موجود ہوتی ہے۔ مگر اس کو خود اس کا خیال نہیں ہوتا۔ اتنا لمبا عرصہ وہ اپنے آپ کو اس عادت یا خاصیت سے بے خبر رکھتا ہے۔ حالانکہ یہ عادت

اتنی واضح اور نمایاں ہوتی ہے۔ جیسے منہ پر ناک کا ہونا ہمیں یہ بات کبھی نہیں بھولنی چاہئے۔ کہ عادت ایک ایسا انتظامی دستور ہے۔ جو انسان کی فطرت میں شامل ہے لازم ہے۔ کہ اس انتظامی دستور کو ہم بروئے کار لائیں۔ تاکہ ہمارے لازمی اور مفید کاموں میں آسانیاں پیدا ہوں۔ اور ہماری قابلیت میں اضافہ بھی ہو جائے۔

اگر ہم پرہیزگاری کو اپنی عادت بنالیں تو بے اعتدالیاں خود بخود ہم سے دور ہو جائیں گی۔ اگر عاقبت اندیشی کی عادت اپنالیں تو جلد بازی اور بے پروائی ہم سے کوسوں دور ہو جائے گی۔ اگر ہم صبح سویرے اٹھنے کی عادت ڈالیں تو کاہلی سے نجات مل جائے گی۔ خوش اخلاقی کی عادی بن جائیں تو ہم بیزاری سے بچ جائیں گے۔ یاد رکھیں اچھی عادات اپنانے سے ہمیں کئی برائیوں سے نجات مل جائے گی۔

دنیا میں کامیاب زندگی گزارنے والوں سے یہ سوال کیا گیا۔ کہ ناکامی کا سبب ان کی نظر میں کیا ہے۔ آپ یقین کریں کہ ان میں سے ہر ایک کا جواب صرف یہ تھا۔ کہ "بری عادات ہی ناکامی کی بنیاد ہوتی ہیں"

اس کی تفصیل یوں ہے۔ کہ انسان بری عادت کو بہت جلد اپنا لیتا ہے۔ جیسے آپ ایک دو بار تھوڑی سی شراب چکھ لیں۔ یقیناً آپ اس کے عادی ہو جائیں گے۔ اسی طرح اگر دوستوں میں بیٹھ کر دو تین روز تک جوا کھیلیں تو آپ اس کو اپنی عادت بنانے میں دیر نہیں کریں گے۔ اگر غلطی سے کسی بری صحبت میں بیٹھنے کا اتفاق ہو جائے۔ تو آپ چاہیں گے کہ ہر وقت ایسی ہی محفلوں میں بیٹھے رہیں۔

اس لئے ضروری ہے۔ کہ اپنے آپ کو چھوٹے چھوٹے گناہوں اور جھوٹ فریب سے بچائے رکھیں ایک متقی بزرگ جو کافی جہاں دیدہ اور صاحب علم و حکمت تھے کہتے ہیں۔ کہ جتنی بھی نیک عادات ہیں انکی بنیاد ذیل کی چار باتوں پر ہے۔

1۔ : پابندی اوقات

2۔ : درستی

3۔ : استقلال

4۔ : کام میں پھرتی

آیئے اب ہم ان باتوں کی تصدیق کرتے ہیں۔

1۔ اگر کسی انسان کو پابندی وقت کا احساس نہ ہوگا۔ تو اس کا وقت بے کار ضائع ہوگا۔ اور وہ زندگی

میں کبھی کامیابی حاصل نہ کر سکے گا۔ پابندی وقت ایسی چیز ہے۔ کہ وہ آپ کو ہر ناکامی اور نامرادی سے محفوظ و مامون رکھے گی۔ جو شخص وقت کا پابند ہوگا۔ معاشرہ میں اس کا مرتبہ بھی بلند ہوگا۔ وقت کی پابندی سے اس کی مقبولیت بہت زیادہ بڑھے گی۔

2۔ جس انسان میں درستی نہ ہوگی۔ اس سے ایسی ایسی غلطیاں سرزد ہوں گی۔ جن سے اس کے اپنے مفادات کے علاوہ دوسروں کے مفادات کو سخت نقصان پہنچے گا۔

3۔ جس میں استقلال نہیں۔ وہ کوئی بھی عمل بخوبی انجام نہیں دے سکتا۔

4۔ اگر ہم میں کام کرنے کی پھرتی نہ ہوگی۔ تو ہم فائدہ پہنچانے والے بہت سے مواقع سے فائدہ نہ اٹھا سکیں گے جبکہ ان مواقع کا دوبارہ میسر آنا بھی ممکن نہیں ہوگا۔

امریکی صدر ابراہام لنکن کی عادت تھی۔ کہ وہ سیاسی مسائل بیان کرنے سے پہلے ان کی خوب مشق کر لیتے تھے۔ مسٹر وینڈل فلپس نے اپنی عادت یعنی سوچنے کے اعلیٰ وارفع طریقہ اور بہترین طرز بیان کی وجہ سے انگریزی زبان کے بیان کرنے میں ایسی قوت حاصل کر لی تھی۔ کہ کسی دوسرے میں نہیں پائی جاتی تھی۔

یوں تو کام کرنے کا طریقہ بظاہر معمولی بات ہے۔ لیکن میں جس طور اور طریقہ سے چھوٹے چھوٹے کام انجام دیتا ہوں۔ ان کی اہمیت میرے لئے بہت زیادہ ہے۔ کیونکہ ان ہی باتوں سے میں اپنے لئے مفید عادتیں اپنا لیتا ہوں۔ اور پھر ان ہی پر غور و خوض کرتا رہتا ہوں۔ کوئی بھی کام خواہ وہ کتنا ہی چھوٹا اور غیر اہم ہی۔ کیوں نہ ہو۔ مجھے کبھی ناکامی کا منہ نہیں دیکھنا پڑتا۔

خاندانی رسم و رواج بھی دنیا پر اپنا اثر ضرور دکھاتے ہیں۔ آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ خاندانی عادات بچے کو ورثہ میں ملتی ہیں یا یوں کہہ لیجئے۔ کہ اس کی گھٹی میں پڑے ہوتے ہیں۔ جونہی کوئی بچہ بڑا ہو کر گھر سے باہر نکل کر سوسائٹی میں قدم رکھتا ہے۔ تو وہ انہی عادات کو کسی نہ کسی طور سوسائٹی میں ضرور پھیلاتا رہتا ہے۔ اگر کوئی شخص ان کی تحقیقات کرنا چاہے تو وہ بہت جلد ان کا منبع تلاش کر لیتا ہے۔ یعنی وہ فرد جس کی وجہ سے وہ عادت سوسائٹی میں پہنچی۔

کسی بھی عادت کی مثال ہم یوں دے سکتے ہیں۔ جیسے ایک خم دار درخت انسان اس کے خم کو سیدھا کرنے کی لاکھ کوشش کرے کامیاب نہیں ہو سکتا۔ درخت اسی طرح خم دار ہی رہے گا۔ ہاں اس کا ایک طریقہ ہے۔ کہ اس درخت کو سیدھا کر کے اس کے ساتھ کوئی مضبوط شہتیر یا کھمب گاڑھ دیا جائے اور دو تین سال تک ٹیڑھا درخت اس کے ساتھ کس کر باندھ دیا جائے۔ تو پھر کہیں جا کر وہ سیدھا ہوگا۔ اگر ایسا نہ کیا جائے۔ تو درخت کو سیدھا کرنے کے لئے اس کے تنے کو جڑ سے کاٹ دیں۔ جب نیا تنا بنے گا تو وہ سیدھا ہوگا اسی لئے تو مثال مشہور ہے۔ کہ کتے کی دم کو

سو سال تک کسی پائپ میں رکھیں۔ جب بھی باہر نکالیں گے۔ وہ ٹیڑھی کی ٹیڑھی ہی ہو گی۔

شاید بزرگوں نے اسی لئے کہا ہے۔ کہ عادت تمام عمر انسان کے ساتھ رہتی ہے۔ انسان کو زندگی کا سفر کامیابی اور بامقصد طریقے سے طے کرنے کے لئے ضروری ہے۔ کہ اچھی عادات کو اپنائے۔ تاکہ دوسرے بھی اس کی تقلید کریں۔

عادات سے متعلق ایک واقعہ جارج سٹونن اس طرح بیان کرتے ہیں۔ کہ وہ ہندوستان میں ایک ایسے شخص سے ملے۔ جس نے ایک قتل کا ارتکاب کیا ہوا تھا۔ اس نے یہ قتل نہ صرف حفاظت خود اختیاری کے لئے کیا تھا بلکہ تحفظ عزت ہی اس کا محرک تھی۔ جس پر بعد میں وہ بہت پشیمان تھا۔ اس نے اپنی پشیمانی دور کرنے کے لئے اپنے آپ کو خود سزا دینے کا منصوبہ بنایا۔ اس نے ایک ایسا تختہ بنوایا۔ جس پر لوہے کی کیلیں سیدھے رخ لگوائیں اور عہد کیا کہ وہ سات سال تک اسی پر سو کر گزارے گا۔ پہلے پہل اس پر لیٹنے سے اسے سخت تکلیف پہنچتی تھی۔ گو کیلیں اس کے جسم میں پیوست نہ ہوتی تھیں۔ لیکن شدید تکلیف ضرور پہنچاتی تھیں۔ جارج سٹونن کا کہنا ہے۔ کہ جب پانچ سال کے بعد اس شخص سے دوبارہ ملا۔ تو کیا دیکھتا ہوں۔ کہ اس کی کھال اس طرح سخت ہو چکی تھی۔ جس طرح گینڈے کی کھال ہوتی ہے۔ اب وہ اپنے اس بستر پر اس طرح چین سے سوتا تھا جیسے کسی مخملیں گدے پر سو رہا ہوں اس عجیب و غریب تختے کے علاوہ اسے کہیں سکھ کی نیند ہی نہ آتی تھی۔ گناہ کی زندگی کی یہ ایک عمدہ اور زندہ جاوید مثال ہے۔ اس واقعہ سے یہ نتیجہ نکلتا ہے۔ کہ گناہ پہلے پہل ایک کانٹوں بھرا بستر معلوم ہوتا ہے۔ لیکن جوں جوں آدمی اس کا عادی بن جاتا ہے۔ یعنی اس کا ضمیر گناہ کرتے کرتے مردہ ہو جاتا ہے۔ اور اس میں اخلاقی احساس بھی مر جاتا ہے۔ تو وہی کانٹوں بھرا بستر اسے پھولوں کی سیج لگتا ہے۔

جان جمین ایک قصہ سناتے ہیں۔ کہ جب آپ دریائے نیاگرہ میں کشتی رانی کر رہے ہوتے ہیں۔ تو بڑا لطف آتا ہے۔ کشتی بڑے مزے سے پانی کی صاف شفاف اور چمکیلی سطح آب پر دریا کے بہاؤ کے ساتھ ساتھ اڑتی چلی جاری ہوتی ہے۔ آپ کو چپو بھی نہیں چلانا پڑتا۔ آپ خوب لطف اندوز ہو رہے ہوتے ہیں۔ کہ یکایک ایک مبہم آواز آپ کو چونکا دیتی ہے۔ جب آپ آواز پر کان لگا کر سنتے ہیں۔ تو کوئی شخص تمہیں خبردار کر رہا ہوتا ہے کہ "کشتی والو ہوشیار رہنا آگے بھنور آنے والا ہے" آپ اس پر کوئی دھیان نہیں دیتے۔ کیونکہ آپ کشتی رانی سے خوب لطف لے رہے ہوتے ہیں کہ چند گز چلنے کے بعد وہی آواز دوبارہ سنائی دیتی ہے۔ کشتی والو خبردار بھنور قریب آگیا ہے۔ آپ خیال کرتے ہیں کہ بھنور قریب آگیا ہے تو کیا ہوا۔ ہمارے بازوؤں میں زور بھی ہے۔ اور چپو بھی ہمارے پاس ہیں۔ ہم زور لگا کر اپنی کشتی بھنورے سے کامیابی کے ساتھ نکال لیں گے۔ اور

آپ پھر کشتی رانی میں گم ہو جاتے ہیں۔ اور اپنے لطف کے لمحات کو ضائع نہیں ہونے دیتے۔ کچھ ہی دور جانے کے بعد وہی آواز تیسری بار سنائی دینے لگتی ہے کہ "کشتی والو خبردار ہو جاؤ بھنور آگیا ہے" اس پر آپ کی آنکھیں کھلتی ہیں۔ اور آپ چپو سنبھالتے ہیں اور اپنی پوری قوت سے کشتی کا رخ تبدیل کرنے لگ جاتے ہیں۔ کشتی سفید جھاگ پر تیرتی ہوئی ضرور دکھائی دیتی ہے۔ مگر آگے یا پیچھے ہونے کا نام نہیں لیتی۔ آپ چپو چلاتے چلاتے اپنے ہاتھوں کو لہولہان کر لیتے ہیں۔ آپ کے ناک میں سے زور لگانے کی وجہ سے خون بہنا شروع ہو جاتا ہے۔ پھر آپ کو کوئی ہوش نہیں رہتا۔ کہ کشتی کدھر جا رہی ہے لیکن اب وقت بیت چکا ہوتا ہے۔ اب مستول کھڑا کرنے یا بادبان اٹھانے کا کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔ آپ اپنے آپ کو کوسنے دیتے ہیں۔ قسمت کا رونا روتے ہیں۔ لیکن اب وقت گزر چکا ہوتا ہے کشتی کا کہیں پتہ نہیں چلتا۔ کشتی والوں کا نام و نشان بھی نظر نہیں آتا۔ اور یہ بھنور سینکڑوں سالوں سے قائم ہے۔ اور ہزارہا کشتیاں اس میں پھنس کر لقمہ اجل بن چکی ہیں۔ لیکن ہم اور آپ اپنی عادت میں ذرا بھی تبدیلی پیدا نہیں کر سکے۔ آواز بھی برابر آتی رہتی ہیں۔ جب ہم جانتے ہیں۔ کہ ہمیں اپنی عادت سے نقصان پہنچ رہا ہے۔ تو ہم اپنی عادت کو چھوڑ کیوں نہیں دیتے۔ دریا کے لئے تو ممکن نہیں کہ۔ کہ وہ اپنے تیز بہاؤ کی عادت ترک کر دے۔

ہمیں آج خبر ملتی ہے۔ کہ فلاں شخص نے آج کوئی جرم کیا ہے۔ جس کی اس سے توقع نہ تھی۔ ہم بول اٹھتے ہیں۔ کہ کل وہ مجھے بازار میں ملا تھا۔ اس میں ایسے آثار تو دکھائی نہ دیتے تھے۔ کوئی کہتا ہے۔ کہ میں نے تو اس کے ساتھ بیٹھ کر چائے بھی پی تھی۔ اس کی باتوں سے کسی قسم کی اجنبیت محسوس نہ ہوتی تھی غرضیکہ کوئی کچھ کہتا ہے۔ اور کوئی کچھ جب کہ آج اس کا ارتکاب جرم اس کے پچھلے تین چار یوم کے خوفناک ٹکراؤ کے زیر اثر ہوتا ہے۔

ہمیں چاہئے۔ کہ ہم ہر وقت بہتر اور نفع بخش سوچ میں اپنے آپ کو مگن رکھیں۔ تاکہ ہماری زندگی کا سفر بخیر و عافیت اپنی منزل کی طرف رواں دواں رہے۔

دو شراب پینے والے ملاحوں کا قصہ یوں سنایا جاتا ہے۔ کہ ایک دن دونوں نے خوب جی بھر کر شراب پی۔ جب وہ نشہ میں بدمست ہو گئے۔ تو ایک کشتی میں سوار ہو کر اپنے جہاز کی طرف روانہ ہوئے۔ انہوں نے خوب زور لگا کر چپو چلائے مگر کشتی اپنی جگہ سے ایک انچ بھی آگے کی طرف نہ بڑھی۔

جب دونوں زور لگاتے لگاتے تھک گئے تو وہیں کشتی میں آرام کرنے کی نیت سے لیٹ گئے۔ جب کچھ دیر بعد ان کا نشہ اترا اور آنکھیں کھلیں تو انہیں پتہ چلا۔ کہ انہوں نے کشتی کا لنگر تو اٹھایا ہی

نہ تھا۔ جبکہ جہاز ان کا انتظار کرنے کے بعد اپنی منزل کی طرف روانہ ہو چکا تھا۔
معلوم ہوا۔ کہ اگر انہیں شراب پینے کی خراب عادت نہ ہوتی۔ تو وہ بھی جہاز کے ساتھ اپنے سفر پر جاسکتے تھے۔

بری عادات کو چھوڑ دینے میں ہی ہماری عافیت ہے۔

کہتے ہیں کہ ایک مصور نے اپنے دل میں خیال کیا۔ کہ وہ ایک ایسی شاہکار تصویر بنائے جو معصومیت کا منہ بولتا ثبوت ہو۔ وہ اپنے ماڈل کی تلاش میں سرگرداں رہنے لگا۔ کہ ایک دن اسے اپنا مطلوبہ ماڈل مل گیا۔ اس نے دیکھا کہ ایک بچہ اپنے خدا کے حضور دعا کے لئے ہاتھ بلند کئے کھڑا ہے۔ قریب ہی اس کی والدہ بیٹھی مسکرا رہی ہے۔ بچے کی خوبصورت نیلی نیلی آنکھیں بھی آسمان کی جانب اٹھی ہوئی ہیں مصور نے یہ منظر ہمیشہ کے لئے کاغذ پر منتقل کر کے اس کے نیچے اس کا عنوان معصومیت لکھ کر اپنے ڈرائنگ روم کی زینت بنا کر رکھ لیا۔

وقت گزرتا رہا۔ مصور بھی بوڑھا ہو گیا۔ بڑھاپے میں اسے خیال آیا۔ کہ وہ ایک ایسی تصویر بھی بنائے۔ جو کسی مجرم کے جرم کا منہ بولتا ثبوت ہو۔ اس مقصد کے لئے وہ ایک جیل خانہ میں گیا۔ اور جیل حکام سے اپنا مقصد بیان کیا۔ انہوں نے اسے جیل کے اندر آنے اور مطلوبہ تصویر بنانے کی اجازت دیدی۔ اب مصور جیل میں گھوم پھر کر اپنا ماڈل تلاش کرتا رہا۔ جو اسے مل گیا۔ وہ ایک کوٹھڑی کے سامنے پہنچا اور دیکھا کہ ایک بدنصیب نوجوان مجرم بھاری زنجیروں میں جکڑا ہوا پڑا ہے۔ اس کی آنکھیں اندر کو دھنسی ہوئی ہیں۔ جسم لاغر ہو چکا ہے۔ ہڈیاں صاف اوپر کو ابھری ہوئی دکھائی دے رہی ہیں۔ اسے یہ منظر پسند آگیا۔ اور اس نے اسے کاغذ پر ہمیشہ کے لئے قید کر لیا۔ اور اس کا عنوان اس نے "جرم" رکھا۔ اس تصویر کو بھی اس نے اپنے ڈرائنگ روم میں پہلی تصویر کے ساتھ رکھ دیا۔

تھوڑے عرصہ بعد مصور کو پتہ چلا۔ کہ یہ دونوں تصاویر ایک ہی شخص کی تھیں یعنی وہی بچہ جسے اس نے معصومیت کا نام دیا تھا۔ بڑا ہو کر بہت بڑا مجرم بن۔ مصور ان دونوں تصاویر کو جب بھی دیکھتا حیران و پریشان ہو جاتا۔ بسیار تحقیق کے بعد اسے انکشاف ہوا۔ کہ بچپن میں ہر کوئی معصوم ہوتا ہے۔ جوں جوں وہ بڑا ہوتا ہے۔ تو بد عادات کا شکار ہو کر بہت بڑا مجرم بن جاتا ہے۔

اس واقعہ سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے۔ کہ ہم اپنے بچوں کو ہمیشہ نیک عادات سکھائیں تاکہ وہ جوان ہو کر شریفانہ طریقے سے اپنی زندگی کا سفر طے کر سکیں۔

حکماء کا خیال ہے۔ کہ انسانی ذہن جسم کے مختلف اعضا کو ان کے افعال انجام دینے کا عادی بناتا رہتا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے۔ کہ تمام اعضا اپنے عمل اور رد عمل کی نقل کرتے ہوئے اتنے عادی

ہو جاتے ہیں۔ کہ رفتہ رفتہ تمام افعال خود بخود انجام پانے لگتے ہیں اور اس طور نظام اعصاب زندگی کے فرائض کا کثیر حصہ اپنے آپ مکمل کرتا رہتا ہے۔ قدرت کی یہ نہایت ہی عجیب و غریب حکمت ہے۔ کہ انسانی دماغ کو زیادہ مشقت نہیں کرنی پڑتی اور دماغ کو اعلیٰ ترین فرائض انجام دینے کے لئے بہت زیادہ صلاحیت حاصل ہو جاتی ہے۔ اس طرح ہماری زندگی کا سفر احسن طریقہ سے جاری رہتا ہے۔

کہتے ہیں کہ ہر اچھی عادت کو پورے طور پر اپنا لینا چاہئے۔ اگر آپ ایسا کریں گے۔ تو یقین کیجئے۔ کامیابی آپ کے قدم چومے گی۔ اور اگر کسی عادت کو آپ ادھورا چھوڑ دیں گے تو آپ کی کامیابی بھی مکمل نہیں ہو سکتی۔

لہذا آپ کو چاہئے کہ آپ جو بھی عادت اپنائیں۔ اسے اپنا روزمرہ کا معمول بنالیں۔ تاکہ آپ کی زندگی بھی اپنا سفر کامیابی سے جاری رکھ سکے۔

صاحبان حکمت و دانش فرماتے ہیں۔ کہ آپ ایک شیطان کا بچہ اپنے گھر مدعو کریں۔ تو آپ دیکھیں گے۔ کہ آپ کے گھر شیطان کا پورا کنبہ آدھمکے گا۔ بری عادات کا بھی یہی عالم ہے۔ کہ آپ ایک بڑی عادت اپنالیں تو دیگر برائیاں خود بخود آپ میں پیدا ہو جائیں گی۔

اس کی مثال یہ ہے۔ کہ ایک آدمی چوریاں کرتا ہے۔ اس کے پاس بغیر محنت کئے روپیہ آجاتا ہے۔ وہ اس روپیہ سے جوا کھیلنا شروع کر دے گا۔ جب جوئے میں اسے جیت ہو گی۔ تو وہ شراب پینا شروع کر دیگا۔ آپ جانتے ہیں۔ کہ ناچ گانے کی محفلوں میں کبھی کبھار لڑائی جھگڑے بھی ہو جاتے ہیں۔ ان جھگڑوں کے نتیجہ میں وہ آدمی قتل کا مرتکب بھی ہو سکتا ہے۔ جب قتل کرے گا تو جیل کی ہوا بھی کھانا پڑے گی اور ہو سکتا ہے۔ کہ اسے اپنی جان سے ہاتھ دھونا پڑ جائیں یعنی پھانسی۔ ان سب برائیوں سے بچنے کا آسان علاج یہ ہے۔ کہ آپ اپنے آپ کو شروع ہی سے نیک عادات کا عادی بنائیں۔ اور بری عادات سے پرہیز کریں۔ تاکہ آپ اپنی زندگی کا سفر عزت و احترام کے ساتھ جاری رکھ سکیں۔

دیکھنے میں آیا ہے۔ کہ اکثر لوگ اس حقیقت کو تسلیم نہیں کرتے۔ کہ عادات کی بنیاد رکھنے میں ہمارے جسم کو کیا کردار ادا کرنا پڑتا ہے۔ یعنی جو کام ہم بار بار کرتے ہیں۔ ہمارے اعضائے جسمانی اس کے اتنے عادی ہو جاتے ہیں۔ کہ ایسے کام خود بخود انجام پانا شروع کر دیتے ہیں۔ مثال کے طور پر ایک آدمی کسی خاص مقصد کے حصول کے لئے جھوٹ بول جاتا ہے۔ گو وہ یہ باور نہیں کرتا۔ کہ یہ بری عادت ہے۔ آہستہ آہستہ وہ اپنے روزمرہ کے کاموں میں بھی جھوٹ بولنا برا خیال نہیں کرتا۔ اس برائی کا احساس اسے اس وقت ہوتا ہے۔ جب اس کے دوست احباب دروغ گو کہنا

شروع کردیتے ہیں۔ اور اس طرح اسے بہت صدمہ پہنچتا ہے۔ کیونکہ اس کے خواب وخیال میں بھی یہ بات نہیں ہوتی کہ وہ دروغ گو ہے۔ جھوٹ بولنا تو اس کی عادت ثانیہ بن چکی ہوتی ہے۔ ایسے ہی کچھ لوگ بات بے بات پر قسمیں کھانے کے عادی ہو جاتے ہیں۔ لوگ ایسے شخص کی کسی بات پر یقین نہیں کرتے۔

میں نے اپنے بچپن میں ایک کہانی پڑھی تھی۔ جس کو بیان کرنا بے جا معلوم نہیں ہوتا۔ کسی گاؤں میں ایک لڑکا بھیڑیں چرانے کے لئے جنگل میں لے جاتا تھا۔ یعنی گڈریا تھا۔ ایک دن اسے بیٹھے بیٹھے شرارت سوجھی اس نے شور مچانا شروع کردیا۔ "شیر آیا شیر آیا" گاؤں والوں نے جب لڑکے کی آواز سنی تو لاٹھیاں لے کر دوڑے۔ جب وہ جنگل میں پہنچے تو لڑکا کھڑا ہنس رہا تھا۔ اور لوگوں کو پریشان حال اور بھاگتے دوڑتے دیکھ کر محظوظ ہو رہا تھا۔ جب انہوں نے لڑکے سے پوچھا کہ شیر کدھر گیا ہے۔ تو اس نے جواب دیا "میں نے تو مذاق کیا تھا" سب لوگ اپنا سامنہ لے کر گاؤں کو لوٹ گئے۔

قدرت کا کرنا ایسا ہوا کہ کچھ دنوں بعد سچ ایک شیر آگیا۔ لڑکے کے اوسان خطا ہو گئے۔ اس نے خوف سے چلانا شروع کردیا۔ "شیر شیر" اب کی بار گاؤں والوں نے اس کی آواز تو سنی۔ لیکن کوئی توجہ نہ دی۔ شیر نے اس کی بھیڑوں میں گھس کر دو چار کو زخمی کردیا۔ اور ایک بھیڑ کو اٹھا کر بھی لے گیا۔

اس کہانی سے یہ سبق حاصل ہوتا ہے۔ کہ اگر لڑکا پہلی دفعہ جھوٹ نہ بولتا۔ تو اس کی آواز پر لوگ یقیناً اس کی مدد کو آتے۔ اس کے جھوٹ بولنے نے اسے نقصان پہنچایا۔ یہ یاد رہے۔ کہ ہماری بری عادات بعض اوقات ہمیں سخت مشکل میں پھنسا دیتی ہیں۔

شرارت پسند اور بد قماش لوگوں کو یہ باور کرانا بہت مشکل کام ہے۔ کہ ان کی تھوڑی سی قوت ارادی سے ان کی بری عادات پر قابو پایا جاسکتا ہے۔ کیونکہ ان پر آپ کی اس بات کا کوئی اثر نہ ہوگا۔ آپ انہیں اس طرح سمجھائیں۔ کہ کردار کی تعمیر کا انحصار مکمل طور پر سائنسی طریقوں پر مبنی ہے۔ یعنی جو کام آپ آج کرتے ہیں۔ وہ وہی ہوتا ہے۔ جو آپ نے کل کیا تھا۔ اور غیر سائنسی طریقوں سے عادات میں قطعاً تبدیلی نہیں لائی جاسکتی۔ کیونکہ جو کچھ ہم آج کر رہے ہیں۔ کل بھی وہی کچھ کریں گے۔

یہاں مجھے مہاتما گوتم بدھ کا وہ مشہور قول یاد آیا ہے۔ جو انہوں نے اپنے ایک شاگرد کو بتایا تھا۔ مہاتما گوتم بدھ کے ایک شاگرد نے ان سے دریافت کیا تھا کہ "اے انسانوں میں برگزیدہ! ہمیں کچھ مستقبل کے متعلق بتاؤ" اس پر مہاتما گوتم بدھ نے فرمایا "تمہارا ماضی ہی تمہارا مستقبل ہے" جب

ہم اس چھوٹی بات پر غور کرتے ہیں۔ تو پتہ چلتا ہے۔ کہ ان چار لفظوں میں کتنی معنی خیز بات کی گئی ہے۔ اور ان میں کسقدر سچائی بھری ہوئی ہے۔

یہ بات میں بڑے دکھ کے ساتھ کہہ رہا ہوں۔ کہ ہمارے گھروں میں ہماری مائیں جتنی غفلت سے کام لیتی ہیں۔ ہمارے سکول کالجوں میں بھی یہ علم نہیں سکھایا جاتا عادات کو سنوارنا ایک ایسی سائنس ہے۔ کہ اس کے مقابلے میں تمام علوم سائنس ہیچ ہیں۔

اب میں آپ کو ایک ایسا واقعہ سناتا ہوں۔ جسے سن کر آپ ضرور ہنس پڑیں گے کہ وہ آدمی کتنا بے وقوف تھا۔ لیکن آپ کے لئے یہ لمحہ فکریہ ہے۔

واقعہ یوں ہے کہ ایک دن ایک عمر رسیدہ ریٹائرڈ فوجی بازار میں سودا سلف خریدنے آیا۔ اس کے ایک ہاتھ میں دودھ کا ڈول اور دوسرے میں انڈوں کا لفافہ تھا۔ اور وہ اپنے گھر واپس جا رہا تھا۔ کہ کسی نے زور سے آواز لگائی "اٹن شن" جونہی بوڑھے آدمی نے یہ آواز سنی تو ایک دم سیدھا ہو کر کھڑا ہو گیا۔ اس کے ہاتھوں سے دودھ کا برتن اور انڈے نیچے گرے۔ یعنی دودھ بہہ گیا۔ انڈے ٹوٹ گئے۔ آپ یقیناً اسے اس کی بے وقوفی کہیں گے۔ لیکن ایسا ہرگز نہیں۔ یہ تو اس عمل اور رد عمل کا نتیجہ ہے۔ جو وہ اپنی زندگی میں انجام دیتا رہا تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ انسان جو عادت اپنائے وہ عمر بھر اس کے ساتھ رہتی ہے۔

مشہور مفکر نیٹ پال جو عادات کی شدت سے بخوبی واقف تھے۔ ان کا ایک مشہور قول ہے کہ "میں یہ اچھی طرح جانتا ہوں کہ جو نیکی میں کرنا چاہتا ہوں۔ اس کے لئے ایک برائی موجود ہے" خداوند کے قانون میں بھی خیر و شر کا بہت ذکر آتا ہے۔ اور ہمیشہ اکٹھے ہی آتا ہے۔ شاید آپ کے علم میں یہ ہو۔ کہ خیر اور شر کے درمیان صرف ایک سانس کا فاصلہ ہے۔ اگر آپ اپنے رب تعالیٰ کا ذکر کر رہے ہوتے ہیں۔ جو کبیر ہے۔ چاہیں تو اسی لمحے شیطان کا ذکر بھی شروع کردیں جو شر ہے خیر اور شر کی لڑائی ہمارے جسم میں روز اول سے ہی ہو رہی ہے کبھی خیر کا زور بڑھ جاتا ہے۔ تو ہم نیک عمل کرنے لگ جاتے ہیں۔ اور کبھی شر زور پکڑ لیتا ہے۔ تو ہم برائیوں کا دامن تھام لیتے ہیں۔ اسی لئے نیٹ پال کہتا ہے۔ کہ میں ہر وقت اسی خوف میں مبتلا رہتا ہوں۔ کہ اگر شر مجھ پر غالب آگیا۔ تو مجھے اس "مردار جسم" سے کون نجات دلائے گا۔

آخری جملے میں ایک ایسی پرانی رسم کا حوالہ موجود ہے۔ جو اب متروک ہو چکی ہے۔ وہ رسم یہ تھی۔ کہ قاتل کو یہ سزا دی جاتی تھی۔ کہ وہ مقتول کی لاش کے منہ سے منہ ملائے۔ پھر اسے باندھ دیا جاتا تھا۔ قاتل مقتول کے منہ سے نکلنے والی بدبو اور عفونت کے باعث دم گھٹنے سے خود بخود مر جاتا تھا۔

میں یہ یاد نہیں رکھ سکا۔ کہ درج ذیل مقولہ کس کا ہے۔ لیکن جب آپ اس کو پڑھیں گے تو اس سچائی کو لازماً مان جائیں گے۔ جو اس میں مخفی ہے۔ اس کا کہنا ہے۔ "اگر میرے پاس پوری دنیا میں پایا جانے والا سونا چاندی موجود ہو"۔ تو میں وہ سارے کا سارا اس مقصد کے لئے خرچ کروں گا۔ کہ میں سچا آدمی بن جاؤں ایسا کرنے کے صرف چوبیس گھنٹے بعد یعنی اگلے ہی دن میں معمولی سے لالچ میں آکر پھر گناہ کرکے اسی قعر ذلت میں گر جاؤں۔ جس سے بچنے کے لئے میں نے بے حد وحساب دولت خرچ کی تھی۔ میں اس عادت گناہ سے کیونکر بچ سکتا ہوں۔ اس کا جواب مجھے یہی ملتا ہے۔ جس طرح اپنایا تھا۔ جس طور اکٹھا کیا تھا۔ اسی طرح بکھیر دو۔ جس طرح مغلوب ہوئے تھے اسی طرح غالب آؤ یعنی جس طرح ہم ایک ایک دھاگہ کو جوڑ کر مضبوط ڈوری بناتے ہیں۔ اور پھر وہی ڈوری ہماری گردن اور ہاتھ پاؤں کو باندھ دیتی ہے۔ اب ہمیں چاہیے۔ کہ بڑے صبر و استقلال سے کام لیکر اسی طرح ایک ایک دھاگے کو الگ کریں۔ پھر کہیں ڈوری کا وجود ختم ہوگا۔ اور ہم اپنے ہاتھ پاؤں اور گردن کو آزاد کرا سکتے ہیں۔ اسے ہم یوں بھی بیان کرسکتے ہیں۔ کہ جس طرح ہم ایک ایک اینٹ جوڑ کر ایک مضبوط اور بلند وبالا دیوار یا بلڈنگ کھڑی کرتے ہیں۔ اسے گرانے کے لئے بھی ہمیں اسی طرح صبر و تحمل سے کام لیتے ہوئے ایک ایک اینٹ الگ کرنی ہوگی سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ کیا ایسا ممکن ہے۔ اس کا جواب بہت آسان ہے۔ جی ہاں ایسا کرنا ممکن ہے۔ اور سو فی صد ممکن ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات بنا کر ہر طرح کی ہمت و حوصلہ دے رکھا ہے۔ جس کی وجہ سے انسان ہر مشکل پر اور ہر جذبے پر غالب آتا ہے۔

جو کچھ آپ کرنا چاہتے ہیں فوراً کر ڈالئے

پہلے چند زریں اقوال ذہن نشین کرلیں۔

1- ہر قوم اور ہر فرد کی زندگی میں سچ اور جھوٹ کی جنگ میں بھلائی اور برائی کے درمیان فیصلہ کرنے کا موقع ضرور آتا ہے۔ (آکویل)

2- تذبذب کردار کی کمزوری کا سب سے کمزور پہلو ہے۔ (والٹیر)

3- جو لوگ تذبذب اور جھجک سے کام لیتے ہیں وہ زندگی میں شاید ہی کامیاب ہوتے ہیں۔ (ایڈیسن)

4- شروع کردہ شروع کرنا نصف کام ختم کردینے کے برابر ہے۔ نصف جو باقی رہ جاتا ہے۔ اس کو پھر شروع کردو۔ بس تمہارا کام ختم ہوگیا۔ (ایسونی ایس)

5- جتنا وقت تم اپنے دل کے ساتھ یہ فیصلہ کرنے میں گزارتے چلے جاتے ہو۔ کہ دو کتابوں میں سے کونسی کتاب تمہارا لڑکا پہلے پڑھے۔ اتنی دیر میں دوسرا لڑکا دونوں کتابیں ختم کرلیتا ہے (ڈاکٹر جانسن)

برطانیہ کی شہزادی جین ڈارک کی کامیابی کا راز یہ تھا۔ کہ وہ ہر سوال کو سمجھ کر فوراً حل کرتی تھی۔ اس کی طاقت اور مضبوطی اس کی فیصلہ کی قوت میں تھی نہ کہ خیالات یا جرات میں یہ بھی ہو سکتا ہے۔ کہ اس کی طاقت اس اوصاف حمیدہ میں ہو جن سے قوت فیصلہ وجود میں آتی ہے یہی وجہ تھی۔ کہ اس نے خدا کا نام لیکر چارلس ہفتم کو ولی عہد قرار دیدیا تھا۔

کیا آپ کو معلوم ہے۔ کہ کولمبس کی کامیابی کا راز کیا تھا۔ تو سنئے وہ اپنے ارادہ میں پختہ تھا۔ قوت فیصلہ بروقت اور متوازن رکھتا تھا۔ جو بھی ارادہ کرتا تھا۔ اس کو پایہ تکمیل تک پہنچا کر دم لیتا تھا۔ عام طور پر یہ کہا جاتا تھا۔ کہ آپ اس کی جان لے سکتے ہیں۔ مگر اس کے ارادے میں کوئی تبدیلی نہیں لاسکتے۔ اس نے بچپن ہی میں دنیا کے گرد چکر لگانے کا ارادہ کیا۔ جب وہ عالم شباب میں پہنچا تو اس نے اپنے ارادہ کو مکمل کرنے کا پروگرام بنایا۔ پھر دنیا نے دیکھ لیا۔ کہ اس نے اپنے بچپن کے خواب کو عملی جامہ پہنا کر رہتی دنیا تک اپنا نام روشن کرلیا۔ انسان کو چاہئے کہ اگر وہ زندگی کے سفر میں کامیابی کا خواہاں ہے۔ تو اس کے لئے ضروری ہے۔ کہ وہ اپنے ارادوں کو عملی جامہ پہنانے میں سستی نہ کرے۔ ایموس لارنس نے کہا تھا۔ کہ ہماری کامیابی اس بات میں تھی۔ کہ ہم ہر کام میں عجلت سے کام لیتے تھے۔ اور اس کو اپنی عادت بنا لیا تھا۔ ہمارا طریقہ یہ تھا۔ کہ ہم وقت کو ٹھیک چوٹی سے اپنی گرفت میں لے لیتے تھے۔ جبکہ دوسروں کا طریق کار اس کے الٹ ہوتا تھا۔ وہ نصف جذر کے وقت سستی کر جاتے تھے۔ جس کا نتیجہ یہ نکلتا تھا۔ کہ ان کا کام خراب ہو جاتا تھا۔

نپولین بوناپاٹ کا اصول یہ تھا۔ کہ وہ نازک مراحل سے گھبراتا تھا۔ اور جو طریق اسے دانائی کا معلوم ہوتا۔ وہ فی الفور اس پر عمل کرلیتا تھا جبکہ باقی سب طریقوں کو خیرباد کہہ دیتا تھا۔ اس کے علاوہ وہ اپنی دلیلوں میں بھی اپنے رد کردہ طریقوں کو پیش نظر رکھ کر اپنے آپ کو گومگو کی کیفیت میں کبھی نہ ڈالتا تھا۔

دنیا میں بہت کم لوگ ایسے موجود ہیں۔ جن میں فوری فیصلہ کی صلاحیت پائی جاتی ہے۔ ایسے لوگ فوری طور پر دانائی کی راہ پر چل پڑتے ہیں۔ ایسے ہی لوگوں میں مشہور شخص نپولین بھی شامل تھا۔ اس نے اپنی فوری فیصلہ کی قوت اور عادت کی وجہ سے پورا یورپ فتح کرلیا تھا۔ صرف ایک بار اسے "واٹرلو" کے معرکہ میں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا تھا۔ اس کی وجہ بھی خود اس کے بقول عجلت سے فیصلہ نہ کرنا تھی اور اسے غیر ضروری تاخیر سے دوچار ہونا پڑا۔

نپولین کی بے انتہا قوت فیصلہ جس کی وجہ سے اس نے سارے یورپ کو اپنے قدموں میں جھکا لیا تھا۔ یہ تھی کہ وہ کسی بھی بڑی سے بڑی لڑائی اور چھوٹی سے چھوٹی تفصیل میں بھی فوری فیصلہ کرنے کی اہلیت رکھتا تھا۔ اس کی قوت ارادی کے سامنے بڑے سے بڑا پہاڑ بھی حائل نہ ہو سکتا تھا۔

آپ جب بھی کوئی فیصلہ کریں۔ عقل و فہم کی روشنی میں کریں۔ صرف فیصلہ کر دینا ہی کافی نہیں ہوتا۔ کیونکہ فیصلہ تو گدھا بھی کر سکتا ہے۔ مگر اسے ہمیشہ گدھے کا فیصلہ ہی کہا جائے گا۔ نیز ضد، ہٹ دھرمی اور اصرار کو ہم فیصلہ کا نام نہیں دے سکتے۔ کیونکہ اہل دانش ایسے فیصلہ کو گدھا پنا کہتے ہیں ہٹ دھرمی اور درست فیصلہ میں زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ کیونکہ ہٹ دھرمی میں بے جا غرور اور جہالت زیادہ ہوتی ہے۔ اور درست فیصلہ سنجیدگی اور غور و فکر کا نتیجہ ہوتا ہے۔

مسز جیمز پارٹن جن کا نام فینی فرن ہے۔ کا کہنا ہے۔ کہ میں جنگ کے زمانہ میں جنرل ٹیلر کے ساتھ رہتی تھی۔ جب میں جنرل ٹیلر کے فوری فیصلوں کی قوت دیکھتی۔ تو ششدر ہو جاتی تھی۔ بڑے بڑے اہم معاملات کا جنرل صاحب اپنے خیمہ میں فیصلہ کرتا تھا۔ ان کے سٹاف اور ساتھیوں کو یہ علم تھا۔ وہ سب ژلوگ ایسے معاملات وہیں پیش کرتے تھے جنرل ٹیلر ہر معاملہ کو غور سے سنتے اور فوراً ہی اپنا حتمی فیصلہ سنا دیتے۔ ان کا یہ بھی معمول تھا۔ جس معاملہ کا فیصلہ وہ ایک بار صادر کر دیتے تھے۔ اس معاملہ کو حرف غلط کی طرح اپنے ذہن سے نکال پھینکتے تھے۔ جیسے ان کے سامنے کبھی ایسا معاملہ لایا ہی نہ گیا ہو۔ ہمیں بھی چاہئے کہ اگر زندگی کے سفر میں کامیابی کی تمنا رکھتے ہیں تو انہی بڑے لوگوں کی عادات و اطوار کو اپنائیں۔

زندگی میں کچھ مواقع ایسے آتے ہیں جب انسان کو فوری طور پر کوئی نہ کوئی فیصلہ کرنا پڑتا ہے۔ ہم اس بات سے بھی انکار نہیں کر سکتے۔ کہ یہ فیصلے نہ تو پختہ ہوتے ہیں۔ اور نہ ہی ہمارا ذہن ان کی تائید و حمایت کرتا ہے۔ لیکن وقت کا تقاضا ہوتا ہے۔ کہ ہم اپنی تمام تر صلاحتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے وقت ضائع کئے بغیر کوئی نہ کوئی فیصلہ کر دیں پھر ہم پر لازم ہے۔ کہ اپنے کئے ہوئے فیصلہ کو صحیح فیصلہ قرار دیں۔ اور کسی تذبذب کا شکار بھی نہ ہوں۔ اگر بروقت فیصلہ نہ کیا گیا۔ اور وقت ہاتھ سے نکل گیا۔ تو ہم ہاتھ ملتے رہ جائیں گے۔ بزرگوں کا قول ہے۔ "گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں"

اب میں آپ کو ایک ایسے عدالتی فیصلہ کا قصہ سناتا ہوں۔ جو انصاف کی دنیا میں سنہری حروف سے لکھا گیا تھا۔ قصہ یوں ہے۔

قتل کے مقدمہ کی سماعت کرنے کے لئے کمرہ عدالت میں بارہ جج صاحبان موجود تھے۔ جب سماعت مکمل ہو گئی۔ تو گیارہ ججوں نے ملزم کو سزائے موت دینا تجویز کیا۔ جبکہ ایک جج کا فیصلہ ملزم کے حق میں تھا۔ اس نے دی جانے والی سزا کی مخالفت کی اور عدالت میں موجود جج صاحبان کو واشگاف الفاظ میں متنبہ کیا۔ کہ اگر ملزم کو سزا دی گئی۔ تو وہ (جج) اپنے آپ کو کبھی معاف نہیں کرے گا۔ کیونکہ ملزم کو سزا

دینا میرے نزدیک قرین انصاف نہیں۔ بلکہ انصاف کے قتل کرنے کے مترادف ہے۔ میرا یہ اٹل فیصلہ ہے۔ کہ آپ مجھے بے شک فاقے دیکر موت کی نیند سلا دیں۔ یا کسی اندھے کنویں میں گرا کر میری جان لے لیں۔ لیکن میں کسی بے گناہ کو پھانسی پر چڑھانا اپنے ضمیر کے خلاف سمجھتا ہوں۔ ملزم کو سزا دینے کی بجائے میں خودکشی کو نیکی سمجھتا ہوں۔ لیکن دیگر گیارہ جج صاحبان بھی اپنے اپنے فیصلوں پر اڑے ہوئے تھے۔ اور وہ کوئی بھی تبدیلی نہ کرنا چاہتے تھے۔ کیونکہ وہ اپنے فیصلے کو درست اور حق پر مبنی فیصلہ قرار دیتے تھے۔ اختلاف کی یہ کھینچا تانی پورے چوبیس گھنٹے تک جاری رہی اور کوئی بھی نتیجہ نہ نکلا۔ آخر گیارہ ججوں نے اپنے ساتھی جج کے آگے ہتھیار ڈال دیئے اور ایک بے گناہ شخص موت کے منہ سے واپس آ گیا۔ آپ نے دیکھا کہ کس طرح ایک جج اپنے کئے ہوئے فیصلہ پر ڈٹ کر قائم رہا۔ اور بالآخر گیارہ ججوں سے اپنی بات منوا کر کامیابی حاصل کر لی۔ ہمارے لئے یہ ایک مثال ہے۔ کہ ہم بھی جو فیصلہ کریں اس پر ڈٹ جائیں۔ اسی میں ہماری جیت ہے۔ اور ہماری زندگی کے سفر میں سرخروئی بھی۔

"ولیم پٹ" ایسا خوش نصیب اور ارادے کا پکا انسان تھا۔ کہ اس نے لڑکپن میں جو کچھ سوچا جوانی میں اسے کر دکھایا۔ ولیم پٹ ایک واضح نصب العین رکھتا تھا۔ اس نے بچپن میں سوچا تھا۔ کہ لوگوں نے اس بہت سی امیدیں وابستہ کر رکھی ہیں۔ کہ میں بڑا انسان بن کر اپنے امیر باپ کا ہونہار فرزند کہلاؤں۔ اس نے اپنی پوری تعلیمی زندگی اس خیال کو پیش نظر رکھ کر عمل کی۔ وہ چاہے کلاس روم میں ہوتا چاہے کھیل کے میدان میں کام پر ہوتا یا کسی اور جگہ اپنے بلند خیال کو ذہن سے دور نہ ہونے دیتا۔ اس نے اپنا نصب العین یہ بنا لیا۔ کہ وہ برطانیہ جیسی عظیم سلطنت کا وزیراعظم بنے گا۔ اس نے صرف بائیس سال کی چھوٹی عمر میں پارلیمنٹ کی رکنیت حاصل کر لی۔ ایک سال بعد وزیراعظم بن بیٹھا۔ اس واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ ولیم پٹ نے اپنے ارادے میں تزلزل نہ آنے دیا اور ارادے کو عملی جامہ پہنانے میں اپنی پوری قوت صرف کر دی۔ اور دنیا جانتی ہے کہ اس نے جو کچھ سوچا۔ اس کو پورا کر دکھایا۔ او زندگی کے سفر میں کامیابی حاصل کر دکھائی ایسے بے شمار لوگ ہمارے جاننے والوں میں موجود ہیں۔ جنگی زندگی کا کوئی واضح نصب العین نہیں ہوتا۔ نہ کوئی مقصد اور نہ ہی کوئی مدعا۔ وہ اپنی زندگی کسی تدبیر کے بغیر گزارے چلے جاتے ہیں ان کے پیش نظر نہ تو کوئی فائدہ مند تجویز ہوتی ہے۔ اور نہ ہی موزوں و مناسب ہدایت وہ تو بالکل اس لکڑی کے گٹھے کی طرح ہوتے ہیں جو وقت کے تیز دھارے کے ساتھ بہے چلا جاتا ہے۔ جن لوگوں کی زندگی میں کوئی مقصد نہیں ہوتا۔ اور وہ صرف حالات کے تابع فرمان رہ کر ہی اپنی زندگی بسر کرتے رہتے ہیں۔ تو ایسے اشخاص کا کردار بھی ناپائیدار ہوتا ہے ان کی زندگی کا جہاز کبھی بھی گہرے پانیوں میں نہیں جا سکتا۔ یعنی وہ مشکل حالات کا مقابلہ نہیں کر سکتے ایسے لوگوں کے متعلق کوئی پیشین گوئی بھی نہیں کی جا سکتی۔ کہ مستقبل میں ان کا رویہ اور کردار کیسا ہو گا۔ اس کی مثال یعنہ ایک

آوارہ جانور کی سی ہوتی ہے۔ جس کا نہ تو کوئی ٹھکانہ ہوتا ہے اور نہ ہی ساتھی جہاں سے کچھ مل گیا کھالیا۔ جہاں رات آئی بسر کرلی۔

تذبذب اور متردد طرز عمل ایسے عوامل ہیں۔ جو شاندار ذہنیت کا بیڑا غرق کردیتے ہیں۔ کتنا خوش نصیب ہے وہ شخص! جو ہر قسم کے شک و شبہ سے بالاتر ہے۔ جس میں وہم و گمان نام کی کوئی شے نہیں ہوتی۔ جس کو آرام و آسائش سے چڑ ہے۔ اور مخالفت پر ہنس دیتا ہے۔ جس کو یہ احساس ہوتا ہے۔ کہ اس کے اندر کام کرنے کی قوت اور حوصلہ موجود ہے جس کو اس بات کا یقین کامل ہوتا ہے۔ کہ اس کا ستارہ بلند ہے۔ اور خوش بختی کی علامت ہے۔ جس کے دل و دماغ میں ترقی کرنے کا جذبہ بدرجہا اتم ہوتا ہے۔ جس میں جرات اور قوت فیصلہ بھی پائی جاتی ہے۔ جو کسی قسم کی طعن و تشنیع سے دل برداشتہ نہیں ہوتا۔ جس کو خوشامد اور چاپلوسی نہ تو پسند ہے اور نہ ہی اس پر اثر ڈال سکتی ہے۔ جو اپنے اوپر تمسخر اڑانے والوں کی قطعاً پرواہ نہیں کرتا۔ ایسے اشخاص اپنی زندگی کے سفر میں بامراد اور کامیاب رہتے ہیں۔

کسی بھی مسئلہ کا فیصلہ کرنے کے وقت دوسروں کی مدد لینا سودمند نہیں ہوتا بسا اوقات ایسی امداد حاصل کرنے والوں کو نقصان بھی اٹھانا پڑتا ہے۔ لہٰذا ہم میں سے ہر شخص کو چاہئے۔ کہ وہ اپنی عادات کو اس طور استوار کرلے۔ کہ ضرورت پڑنے پر اپنی جرات حوصلہ اور خود اعتمادی سے کام لیتے ہوئے اپنے فیصلے خود کرے جو بھی اس تجویز پر عمل کرلے گا۔ وہ کبھی ناکام نہ ہوگا۔ اور اس کو کبھی کسی قسم کا پچھتاوا بھی نہ ہوگا۔

اب میں آپ کو ایک ایسا واقعہ سناتا ہوں۔ جس میں صاحبان عقل و دانش کے لئے بہت بڑی نصیحت موجود ہے۔

بیان کیا جاتا ہے۔ کہ ایک شخص کے دو بیٹے تھے۔ بدقسمتی سے ظالم دشمن کی فوج کے اس کے دونوں بیٹے پکڑ لئے۔ باپ نے اپنے طور پر ان کو آزاد کرانے کے لئے بہت جتن کئے۔ لیکن کوئی خاطر خواہ نتیجہ نہ نکلا۔ مجبور ہو کر باپ نے یہ پیشکش کی۔ کہ دشمن ان کے بچوں کو آزاد کردے اور اس کے بدلے اسے گرفتار کرے نیز ایک معقول رقم بطور فدیہ بھی دینے کو پیش کیا۔ فوجیوں نے اسے جواب دیا۔ کہ ان کے لڑکوں میں سے اس معاوضہ کے بدلے ایک کو آزاد کیا جاسکتا ہے۔ مجبور باپ نے ایک لڑکے کی آزادی کی غنیمت سمجھا۔ مگر وہ یہ فیصلہ نہ کرسکا۔ کہ کس بیٹے کو آزادی دلائے۔ وہ اسی شش و پنج میں کافی وقت ضائع کر بیٹھا۔ اور معاملہ میں تاخیر ہوجانے کی وجہ سے دشمنوں نے اس کے دونوں بیٹے قتل کردیئے۔ اگر باپ اپنے فیصلے پر فوری عمل درآمد کرتا۔ تو اس کا ایک بیٹا زندہ بچ جاتا اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ جو لوگ تذبذب کا شکار ہوجاتے ہیں۔ اور جلدی کوئی فیصلہ نہیں کرسکتے۔ انہیں چاہیے کہ وہ اپنے اندر ہمت کے ساتھ کام کرنے کی عادت ڈالیں اور اپنے آپ کو کسی شش و پنج کے چکر میں نہ ڈالا کریں نیز اپنے کئے

ہوئے فیصلوں کو بھی شک و شبہ سے نہ دیکھا کریں۔ اور اپنے کسی کئے گئے فیصلہ پر پچھتایا نہ کریں جب آپ کی ایسی عادت پختہ ہو جائے گی۔ تو زندگی کے سفر میں کامیابیاں آپ کے قدم چومیں گی۔

"ولیم واٹ" کہتے ہیں کہ جو شخص اس چکر میں پھنسا رہتا ہے۔ کہ دو کاموں میں سے پہلے کون سا کام کرے۔ وہ کبھی کامیاب نہیں ہوسکتا۔ جو شخص اپنے کئے ہوئے ارادے کو کسی دوسرے کے زیر اثر اپنا ارادہ بدل دیتا ہے۔ کبھی کچھ نہیں کرسکتا۔ اس کی مثال تو اس "مرغ بادنما" کی طرح ہے۔ جو ہوا کے رخ پر اپنے آپ بدلتا رہتا ہے۔ یاد رکھئے۔ ایسا شخص زندگی کے سفر میں کامیاب نہیں ہوسکتا۔

ایک عقل مند شخص کا قول ہے۔ کہ کسی ایک شخص کو نیند سے بیدار کرنے کی کوشش میں تن من سے لگ جانا اس سے کہیں زیادہ بہتر ہے۔ کہ آپ ساری زندگی پوری دنیا کو جگانے کے صرف خواب ہی دیکھتے رہیں۔ کچھ کر گزرنا۔ سوچتے رہنے سے بہت بہتر ہے۔

تذبذب ایک بیماری ہے۔ جس کا تعلق قوت ارادی سے ہے۔ مشہور ڈرامہ نگار شیکسپئر کا کردار ہیملٹ بھی اسی بیماری کا شکار تھا۔ اس کے قول و فعل میں بہت زیادہ تضاد ہوتا تھا۔ جو شخص کسی شے کو ایک بار دیکھنے کے بعد بڑی آسانی سے کوئی فیصلہ کرسکتا ہے۔ وہ اپنا راستہ باآسانی منتخب کرسکتا ہے۔ لیکن ہیملٹ اسی شے کے تمام پہلوؤں کا خوب جائزہ لیتا تھا۔ اس کا ذہن خیالات شک و شبہات اور فرضی امور سے بھرا رہتا تھا۔ اور وہ کوئی حتمی فیصلہ نہ کرسکتا تھا۔ وہ تو یہاں تک فیصلہ نہ کرسکتا تھا۔ کہ وہ بھوت جو اسے نظر آتا تھا۔ اس کے اپنے والد ماجد کی روح تھا کہ نہیں۔

تذبذب کی بیماری بسا اوقات زیادہ ذہنی مصروفیت کا نتیجہ بھی ہوتی ہے۔ کیونکہ ذہن کو بہت زیادہ مصروف رکھنے سے عملی طاقتیں مفلوج ہو کر رہ جاتی ہیں زندگی کے سفر میں کامیابی اسی کو حاصل ہوتی ہے۔ جو اپنے ذہنوں کو صاف رکھتے ہیں ان پر گنجائش سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتے۔

بہت سے کامیاب لوگ فوری فیصلہ اور بہترین جرأت کی وجہ سے بعض خطرناک اور نازک مواقع پر بہت جلد قابو پالیتے ہیں۔ اگر وہ اپنا وقت سوچ بچار میں ضائع کردیں تو انہیں بہت زیادہ نقصان اٹھانا پڑے۔ اور وہ تباہ ہو کر رہ جائیں۔

تذبذب کی بیماری کا شکار لوگ زندگی کی دوڑ میں ان لوگوں سے بہت پیچھے رہ جاتے ہیں جو مصمم ارادے اور پختہ فیصلہ کرنے کے عادی ہوتے ہیں۔ خواہ تذبذب کا شکار لوگ دوسری باتوں میں کتنے ہی مضبوط اور مستحکم کیوں نہ ہوں۔

آپ یہ بات اپنے ذہن میں رکھیں۔ کہ زندگی ایک چلتے رہنے والے قافلہ کی مانند ہے۔ اگر آپ نے اپنے آپ کو تذبذب کی زنجیروں میں جکڑ لیا۔ تو آپ قافلے کے ساتھ اپنا سفر جاری نہیں رکھ سکیں گے۔ اور بہت پیچھے رہ جائیں گے۔ یہ تو نہیں ہوسکتا۔ کہ کوئی دوسرا شخص آپ کو اپنے کندھوں پر

بٹھا کر لے چلے۔ لہذا آپ سوچ بچار میں اپنا وقت ضائع نہ کریں جو کچھ بھی کرنا چاہتے ہیں۔ فوراً کر ڈالیے۔ اسے ایسے ہزاروں لوگ جو زندگی کے سفر میں ناکامیاب رہتے ہیں۔ وہ اسی تذبذب کی بیماری کا شکار ہوتے ہیں۔

مسٹر نپچر کہتے ہیں "اس شخص کی حالت قابل رحم ہے۔ جو اپنے ضمیر کی عدالت میں حجت سے کام لیتا ہے" جارج ایلیٹ کا کہنا ہے کہ "تذبذب طبیعت کے لوگ کبھی کوئی بڑا کام نہیں کر سکتے" فیلتھم کا خیال ہے کہ "عجلت کے مقابلہ میں تذبذب بہت زیادہ نقصان دہ ہے"

ایک صاحب عقل و خرد فرماتے ہیں۔ اپنی شخصیت کی تعمیر اس طرح سے کریں۔ کہ آپ کے اندر فوری طور پر اور درست فیصلہ کرنے کی قوت پیدا ہو سکے۔ جب ایسا ہو جائے۔ تو پھر اس کو ایک اچھی عادت سمجھتے ہوئے ہمیشہ کے لئے اپنا لیں۔ یہ بھی عین ممکن ہے۔ کہ آپ نے اپنی زندگی میں کئی غلط فیصلے بھی کئے ہوں۔ آپ ان فیصلوں کی وجہ سے بد دل اور مایوس نہ ہوں۔ انسان اپنی ذات میں اتنا اکمل بھی نہیں۔ کہ اس کا ہر فیصلہ درست اور جائز ہو۔ کیونکہ بعض اوقات بڑے عالی مغز اور شہرت رکھنے والوں سے بھی غلط فیصلے ہو جاتے ہیں۔ آپ بس اتنا یاد رکھیں کہ کوئی بھی فوری فیصلہ کرتے ہوئے اپنے آپ کو حاضر دماغ رکھیں۔ اور سنجیدہ رہیں۔ کیونکہ اشتعال اور غصے کی حالت میں بیشتر فیصلے غلط ہو جاتے ہیں۔ جب کبھی بھی ایسی صورت حال ہو اور آپ پر فیصلہ کی تلوار بھی لٹک رہی ہو۔ آپ اشتعال اور غصہ کی حالت میں بھی ہوں۔ تو فوراً ٹھنڈا پانی پی لیا کریں۔ اگر کھڑے ہوئے ہوں تو بیٹھ جائیں۔ بیٹھے ہوئے ہوں تو لیٹ جائیں۔ اور اپنی آنکھوں کو بند کر کے جو بھی دعائیہ کلمات آپ کو یاد ہوں۔ ان کو اپنے خدا کے حضور دہرانا شروع کر دیں۔ ایک بار پھر ٹھنڈا پانی پی لیں۔ ایسا کرنے سے آپ کا غصہ اور اشتعال ختم ہو جائے گا۔ پھر اپنے دماغ پر زور دیکر سوچیں اور سوچ کر ہی کوئی فیصلہ صادر کریں۔

جس شخص کے کئے ہوئے اکثر غلط ہوں تو ایسا شخص ضرور دماغی طور پر مفلوج ہو گا۔ اور اخلاقی طور پر بھی اس کے گمراہ ہونے میں کوئی شک نہیں۔ جب آپ کوئی قطعی فیصلہ کرتے ہیں۔ تو اس میں ادراک کی درستی اور دلائل کی صفائی بھی شامل ہو جاتی ہے۔ اسی لئے آپ کو قطعاً یہ خطرہ محسوس نہیں کرنا چاہئے۔ کہ فیصلے کے کوئی غلط نتائج سامنے آئیں گے۔

دوسری جنگ عظیم کے ایک مرد آہن کا واقعہ پیش کرتا ہوں۔ جس کے متعلق مشہور ہے۔ کہ وہ فوری فیصلہ کرنے میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔ اور اپنے فیصلہ کو کسی بھی حالت میں تبدیل نہ کرتے تھے۔ چاہے اس فیصلہ کی وجہ سے کتنا ہی نقصان کیوں نہ ہو۔ اسی جنگ عظیم دوئم میں جنرل آئزن ہاور کو ایک محاذ جنگ سے دوسرے محاذ پر جانا تھا۔ مشکل یہ تھی۔ کہ زبردست بارش ہو رہی تھی۔ اور سفر کا راستہ پہاڑی ہونے میں روشنی کم کر دی جاتی ہے۔ ان تمام مشکلات کے باوجود دوسرے محاذ پر پہنچنا ازحد ضروری

تھا۔ نہ پہنچنے کی صورت میں اتحادی فوجوں کی شکست لازمی تھی۔ محاذ مصر پر فیلڈ مارشل منٹگمری تیونس کے محاذ پر جنرل آئزن ہاور اور آخری سرے پر جنرل ڈیگال کمان کر رہے تھے۔ ان سب کے مدمقابل اکیلا جنرل رومیل تھا۔ محاذ کافی لمبا تھا۔ اور اتحادیوں کے لئے اس کی لمبائی باعث تشویش تھی۔ ان حالات میں جنرل آئزن ہاور نے اپنے ڈرائیور کو جیپ نکالنے کا حکم دیا۔ ڈرائیور نے حکم کی تعمیل کی۔ صرف اتنا کہا۔ "سر میں تیار ہوں مگر راستہ خطرناک اور کچا ہے۔ اوپر سے اندھیری اور بارش آلود رات" جنرل آئزن ہاور نے حکم دیا۔ "میں نے یہ فیصلہ کر لیا ہے۔ اور اب یہ فیصلہ بدل نہیں سکتا لہذا تاخیر کی اجازت نہیں" ڈرائیور نے جیپ اسٹارٹ کی۔ موسلادھار بارش اور کچے راستے پر جیپ اندھیرے میں دوڑنے لگی ڈرائیور بہت ماہر تھا۔ جیپ کیچڑ کی وجہ سے پھسل پھسل جاتی تھی۔ مگر ڈرائیور نے جیپ پر اپنی گرفت مضبوط کی ہوئی تھی۔ اور اسے راستہ سے نہ ہٹنے دیا۔ جیپ دوڑے چلی جاتی تھی کئی بار گاڑی گرتے گرتے بچی۔ مگر جنرل کے ارادے میں سرمو کے برابر بھی فرق نہ آیا بارش زوروں پر تھی۔ بسیار کوشش کے باوجود جیپ ایک بڑے پتھر سے ٹکرا کر الٹ گئی۔ جنرل اور ڈرائیور دونوں جیپ سے اچھل کر دور جا گرے۔ مگر آفرین ہے۔ کہ جنرل نے ڈرائیور کے ساتھ مل کر جیپ کو کندھا دیکر کھڑا کیا۔ اور حکم دیا کو چلو مرحلہ انتہائی نازک تھا۔ ڈرائیور ہمت ہار گیا۔ اور آگے جانے سے انکار کر دیا اور کہا "میں آگے نہیں جا سکتا۔ خواہ کچھ ہو" جنرل ایک بار تو چکرا سا گیا۔ کیونکہ اتحادی فوجوں کا کمانڈر انچیف ہو کر ایک ڈرائیور سے انکار سن رہا تھا جنرل نے ڈرائیور سے کہا "تم جانتے ہو۔ ملازمی میں انکار کی سزا موت ہے" ڈرائیور نے بڑے تحمل سے جواب دیا "میں جانتا ہوں سر! لیکن جان بوجھ کر موت کے منہ میں نہیں جا سکتا۔" جنرل نے پھر کہا "ذرا سوچو کہ تمہارے انکار کے نتیجہ میں امریکی قوم غلام بھی بن سکتی ہے۔ میں جیپ خود بھی چلا سکتا لے جا سکتا ہوں۔ مگر میری خواہش ہے۔ کہ اس فتح کی سعادت میں سے تمہیں بھی حصہ ملے"

ڈرائیور اپنی ضد پر ڈٹا رہا۔ آخر جنرل آئزن ہاور نے پستول نکالا۔ اور ڈرائیور کی طرف تان کر حکم دیا "بولو اب کیا کہتے ہو۔ میں تمہیں تو ختم کر سکتا ہوں امریکی قوم کو غلام نہیں بنا سکتا" تمہارے مرنے کے بعد بھی تمہارا نام غداروں کی لسٹ میں لکھا جائے گا۔ میں تمہیں دس سیکنڈ کا وقت دیتا ہوں گیارہویں سیکنڈ پر گولی تمہارا سینہ چیر کر نکل چکی ہوگی۔ جنرل نے گنتی شروع کر دی ایک' دو' تین' چار' پانچ' چھ' سات' آٹھ' نو' اس سے پہلے کہ جنرل کے منہ سے دس کا ہندسہ نکلا۔ ڈرائیور ان کے قدموں میں جھک چکا تھا۔ "سر مجھے معاف فرما دیجئے۔ میں کتنا بے وقوف ہوں۔ اور خود غرض بھی۔ میں اکیلا تو نہیں ہوں۔ آپ بھی تو میرے ساتھ ہیں۔ آپ اتنے فرض شناس ہیں۔ کہ آپ موت سے بھی نہیں ڈرتے۔ ایک میں ہوں کہ اپنی معمولی جان کو بچانے کی فکر میں ہوں" جیپ ایک بار پھر اسی کچے راستے پر دوڑنے لگی کہا جاتا ہے۔ کہ جب جنرل آئزن ہاور محاذ پر پہنچے تو موقع انتہائی نازک صورت اختیار کر چکا تھا۔ کہ اگر جیپ مزید

پانچ منٹ بھی لیٹ سے پہنچتی تو جنگ کا پانسہ پلٹ چکا ہوتا۔ کیونکہ اس محاذ پر فرانسیسی افواج نے لڑنے سے انکار کر دیا تھا۔ اور جنرل کو یہ اطلاع مل چکی تھی۔ جونہی وہ موقع پر پہنچے۔ انہوں نے امریکی افواج کو حکم دیا۔ کہ فرانسیسی فوجوں سے جو سپاہی ہتھیار نہیں اٹھاتا اسے بے دھڑک ہو کر گولی مار دی جائے۔ حملے کا حکم دیا گیا۔ اور جونہی امریکی افواج نے فرانسیسی فوجوں پر فائرنگ کا ارادہ کیا۔ تو فرانسیسی فوجیوں نے ہتھیار اٹھا لئے۔ اور امریکیوں کے کندھے سے کندھا ملا کر حملہ آور ہو گئے۔ اور یہ حملہ اتنا شدید اور اچانک تھا۔ کہ جرمنوں کے پاؤں اکھڑ گئے۔ اور وہ کافی دور تک پیچھے ہٹتے چلے گئے۔

(نوٹ) یہ واقعہ جنرل آئزن ہاور کی خود نوشت سوانح حیات Prelude of the man میں لکھا ہوا ہے۔

ماسکو اور سینٹ پیٹرز برگ کے درمیان ریلوے لائین بچھانے کے لئے جب پیمائش کا کام جاری تھا۔ تو شاہ نکوس کو خبر ملی۔ کہ جن افسروں کے ذمہ یہ کام تھا۔ وہ اپنے ذاتی کاموں کو پیمائش کے کام پر ترجیح دے رہے ہیں۔ شاہ نکوس نے اس کام کو قوت ارادی سے مکمل کرنے کا ارادہ کر لیا۔ کہتے ہیں۔ کہ جب متعلقہ وزیر نے ان کے سامنے نقشہ رکھا۔ تو نکوس نے ایک مسطر اٹھا کر ایک نقطے سے لیکر دوسرے نقطے تک ایک سیدھی لائین کھینچ دی۔ اور اس لہجہ میں سامنے موجود وزیر کو حکم دیا۔ کہ پٹڑی اس طرح بنے۔ وزیر صاحب سوائے خاموش رہنے کے اور کچھ نہ کر سکے۔ اور پٹڑی شاہ نکوس کے حکم کے مطابق بچھائی گئی۔

شیکسپئر کہتا ہے کہ "میں یاد رکھوں گا۔ جب سیزر کہتا ہے۔ یہ کام کرو۔ تو وہ کام پورا ہوتا ہے"

مستقل مزاجی

پہلے چند مشہور اقوال پیش ہیں۔

1- جس کام کی تکمیل کا تم نے ارادہ کر لیا ہے۔ شکست کے باوجود بھی اسے ادھورا نہ چھوڑو۔ (شیکسپئر)

2- دنیا کا پورے کا پورا فلسفہ صرف دو لفظوں میں پوشیدہ ہے۔ وہ لفظ ہیں "برداشت اور عزم" (اپکٹیٹس)

3- ناکامی کا لفظ مجھے ڈرا نہیں سکتا۔ میں اسے خوب سمجھتا ہوں۔ یہ تو میری کامیابیوں کا زینہ ہے۔ (جارج ایلیٹ)

4- کبھی بھی کسی حالت میں حوصلہ نہ ہار دیئے۔ (نامعلوم)

ایک چالاک آدمی نے ایک ملازم لڑکے کی ضرورت کا اشتہار ایک اخبار میں دیا۔ جس کے جواب میں تیس لڑکوں کی درخواستیں وصول ہوئیں۔ جن کو امتحان کے لئے طلب کیا گیا۔ جب سب لڑکے اس آدمی کے پاس پہنچے۔ تو اس نے ایک ایک گولہ ہر لڑکے کے سامنے رکھا اور انہیں کہا۔ کہ وہ نشان زدہ جگہ پر سات سات مرتبہ اپنا اپنا گولہ پھینکیں۔ جس لڑکے کا گولہ اپنے نشانے پر زیادہ بار لگے گا۔ اس کو ملازم رکھ لیا جائے گا۔ سب لڑکوں نے کوشش کی۔ لیکن کوئی بھی اپنے نشانے پر گولہ نہ پھینک سکا۔ اس شخص نے انہیں آئندہ روز پھر آنے کو کہا۔ آپ یہ سن کر ضرور حیران ہونگے۔ کہ اگلے روز صرف ایک چھوٹا سا لڑکا حاضر ہوا۔ اور اس نے آتے ہی یہ کہا۔ کہ میں کل والے امتحان کے لئے حاضر ہوا ہوں۔ جب اس کا امتحان لیا گیا۔ تو اس لڑکے نے ہر بار اپنا گولہ ٹھیک نشانے پر پھینکا۔ جب امتحان لینے والے نے اس سے پوچھا کہ کل تو تم ایک بار بھی گولہ ٹھیک نہ پھینک سکے تھے۔ جبکہ آج تمہارا نشانہ بھی غلط نہیں ہوا اس کی کیا وجہ ہے۔ اس لڑکے نے جواب دیا۔ میں گذشتہ رات گولہ پھینکنے کی مشق تمام شب کرتا رہا ہوں۔ اور دوسرے مجھے اپنی ماں کی مدد کرنے کے لئے ملازمت کی ضرورت بھی تھی اس آدمی نے اس چھوٹے لڑکے کو اپنی دکان کے لئے ملازم رکھ لیا۔ تیمور لنگ کے متعلق کہا جاتا ہے۔ کہ مشکلات سے گھبراتا نہ تھا۔ اس کی زندگی کا ایک مشہور واقعہ پیش ہے۔ ایک لڑائی میں اُسے شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔ اس نے میدان جنگ سے بھاگ کر ایک کھنڈر نما عمارت میں پناہ لی۔ وہ اس جگہ گم سم بیٹھا کچھ سوچ رہا تھا۔ کہ یکایک اس کی نظر ایک چیونٹی پر پڑی۔ جو اپنی جسامت سے بہت بڑا کسی اناج کا دانہ لیکر دیوار پر چڑھنا چاہتی تھی۔ لیکن ہر بار وہ نیچے گر پڑتی تھی۔ لیکن ہمت نہ ہارتی تھی۔ اور دوبارہ کوشش کرتی تھی۔ تیمور لنگ یہ کھیل بڑے غور سے دیکھتا رہا۔ اس کا کہنا ہے۔ کہ ننھی چیونٹی نے انتیس بار کوشش کی اور ہر کوشش میں ناکام رہی۔ آخر سترویں بار وہ اناج کا دانہ لیکر کامیابی سے دیوار پر چڑھ گئی۔ تیمور پر چیونٹی کی کوششوں کا بہت زیادہ اثر ہوا۔ وہ اپنے آپ سے کہنے لگا۔ "بے وقوف آدمی تو ایک بار کی شکست سے دلبرداشتہ ہو گیا ہے اور ہمت ہار بیٹھا ہے۔ جبکہ ننھی چیونٹی نے انتیس بار شکست کا سامنا کرنے پر بھی ہمت نہیں ہاری۔ اٹھ اور ایک بار پھر اپنی قسمت آزما۔ تخت یا تختہ"

تاریخ کے اوراق گواہ ہیں۔ کہ اس واقعہ کے بعد تیمور ہمیشہ کامیاب و کامران لوٹتا رہا تھا۔ یہاں میں اس بات کی وضاحت کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ کہ ناکامی اور شکست انسان کی مستقل مزاجی کا

امتحان ہوتے ہیں۔ یہ ایک ایسا آلہ یا پیمانہ ہے۔ جس کی مدد سے ہم اپنے عزم اور استقلال کی پیمائش کرسکتے ہیں۔

ایسا ہی ایک واقعہ بنجمن فرینکلین سے تعلق رکھتا ہے۔ اگر فرینکلین کے مزاج میں استقلال اور مستقل مزاجی نہ ہوتی۔ تو وہ کسی صورت بھی صدر امریکہ نہ بنتا۔ اس نے اپنی عملی زندگی کا آغاز وکالت کے پیشے سے شروع کیا تھا۔ وہ اس میں کامیاب نہ ہوا۔ اور فی الوقت وہ بد دل ہو گیا۔ اور ہمت ہار بیٹھا۔ مگر دوبارہ اسی پیشہ کو اختیار کیا۔ اور اپنے دل میں عہد کیا۔ کہ اب ہزار شکستوں کے باوجود بھی میدان نہیں چھوڑوں گا۔ آخر اس کی زندگی میں وہ دن بھی آگیا۔ کہ اسے امریکہ جیسی عظیم سلطنت کا صدر چن لیا گیا۔ ہمت کرے انسان تو کیا ہو نہیں سکتا۔

"فرینک بی کارپنٹیر" نام کے مصور وائٹ ہاؤس (امریکی صدر کی سرکاری رہائش گاہ) میں "پروکلیمشن پر دستخط والی تصویر بنا رہا تھا۔ تو اس نے وہاں موجود چیف مجسٹریٹ سے پوچھا۔ کہ دیگر جرنیلوں کے مقابلہ میں مسٹر گرانٹ کے بارے آپ کی رائے کیا ہے؟" چیف مجسٹریٹ نے جواباً بتایا۔ کہ مسٹر گرانٹ کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے۔ کہ وہ جس کام میں ہاتھ ڈالتے ہیں۔ اسے مکمل کر کے چھوڑتے ہیں۔ ان میں بہت زیادہ استقلال اور قوت ارادی کا مادہ ہے۔ وہ عام حالات میں جوش میں نہیں آتے۔ مگر جب کسی معاملہ کو اپنی گرفت میں لے لیتے ہیں۔ تو اس طرح پکڑتے ہیں جیسے ایک بل ڈاگ (کتوں کی قسم) کسی چیز کو پکڑ لیتا ہے۔ اور جب ایک دفعہ اس میں اپنے دانت بھنبھوڑ دیتا ہے۔ تو وہ نکلنے کا نام نہیں لیتے)۔

زندگی کے سفر میں کامیابی کا ایک زینہ مستقل مزاجی بھی ہے۔

ب میں آپ کو امریکی صدر ابراہیم لنکن کے استقلال کا ایک واقعہ سناتا ہوں۔

اس نے جوانی میں عہد کیا تھا۔ کہ وہ عوام کے سامنے ضرور آئے گا۔ اس نے اپنے حلقہ احباب میں سے ایک دوست "مسٹر گرین" سے یہ اظہار کیا۔ "میں نے بڑے بڑے لوگوں سے گفتگو کی ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا۔ کہ ان میں اور مجھ میں کیا فرق ہے" اس کا معمول تھا۔ کہ تقریر کی مشق کرنے کے لئے چھ چھ سات سات میل پیدل سفر کر کے تقریری کلبوں میں جاتا تھا۔ اس نے اپنی مشق کا نام بھی بہت دلچسپ اور عجیب رکھا ہوا تھا۔ وہ اس کو مشق "حیص بیص" کا نام دیتا تھا۔

اسی دور میں وہ ایک سکول ماسٹر سے ملا۔ جس کا نام مسٹر گراہم تھا۔ اور اس سے گرامر کے مطالعہ کے طریقے معلوم کئے۔ مسٹر گراہم نے اسے یہ بات باور کرائی۔ کہ اگر وہ واقعی عوام کے سامنے آنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ تو گرامر کا سیکھنا اس کے لئے بہت ضروری ہے۔ لیکن لنکن کے سامنے یہ مسئلہ تھا۔ کہ گرامر سے متعلق کتاب کہاں سے حاصل کی جائے۔ اسے پتہ چلا۔ اس کے اڑوس

پڑوس میں صرف گرامر کی ایک ہی کتاب موجود ہے۔ اور وہ بھی چھ میل دور کے گاؤں میں لنکن نے فاصلہ کی پرواہ نہ کی۔ وہ اسی وقت اس گاؤں کی جانب چل پڑا۔ جہاں سے کتاب ملنے کی امید تھی۔ آخر وہ کتاب حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ اور کتاب لیکر اپنے گھر واپس پہنچا۔ وہ متواتر چھ ماہ سے زیادہ عرصہ تک کتاب کو بار بار پڑھتا رہا۔ یہاں تک کہ کتاب اس کو زبانی یاد ہو گئی۔ اس کے خاندان والوں نے اس کی حوصلہ افزائی کی۔ اور گرین کے خاندان والوں نے اسے مختلف کتابیں مہیا کردیں۔ گاؤں کے بڑھئی نے بھی اپنا حصہ اس طرح ادا کیا۔ کہ اس نے لنکن کو کہا۔ کہ وہ رات کو اس کی دکان پر آجایا کرے اور لکڑی کے چھلکوں کو آگ لگا کر اتنی روشنی کر لیا کرے۔ کہ آسانی سے پڑھ سکے۔ دیگر علاقہ کے استاد نے بھی اس کی رہنمائی کرنے کا وعدہ کیا اس طرح لنکن نے دیگر مضامین پڑھنا شروع کر دیئے۔ اور اپنے تیز ذہن کی وجہ سے بہت جلد ان تمام مضامین میں مہارت حاصل کرلی۔ قدرت الٰہی نے اس کی محنت اور جدوجہد کا اس کو اتنا بڑا انعام دیا کہ وہ دنیا کی سب سے بڑی سلطنت ریاستہائے متحدہ امریکہ کا صدر بن گیا۔ اتنے بڑے عہدے پر براجمان ہونا لنکن کی مستقل مزاجی اور محنت کا نتیجہ تھی۔

دنیا میں ہزاروں انسان ایسے موجود ہیں۔ جو اپنی زندگی کے سفر میں اس لئے ناکام ہو گئے۔ کہ انہوں نے کامیابی حاصل کرنے کے لئے پر خلوص کوشش اور محنت سے کام نہیں لیا۔ نہ ہی وہ کسی ایک پیشہ کو اپنانے میں لگے رہے۔ اگر کسی نے اپنایا بھی تو ان کی نیت یہ نہ تھی۔ کہ وہ اس میں کمال حاصل کریں۔ ہم یہ بات بلا جھجک کہہ سکتے ہیں۔ کہ وہ کامیابی کے دوسرے کنارے پر ہی کھڑے رہے۔

ولسن گارڈنیڈ کا بیان ہے۔ کہ چند عقل بوجھ رکھنے والے لوگ بھی یولی سیس گرانٹ کو نہایت معمولی آدمی سمجھتے تھے۔ جبکہ حقیقت اس سے مختلف ہے۔ اب یہ فیصلہ آپ نے کرنا ہے۔ کہ بھلا ایک تیرہ سالہ لڑکا جو کھیتوں میں ہل چلا سکتا ہو۔ چھ سو میل کا لمبا سفر پیدل طے کر سکتا ہو۔ جو اپنے علم جر ثقیل کی بنا پر بڑے بڑے بوجھ گاڑیوں میں لاد سکتا ہو۔ اور جو ہمیشہ ریاضی کے مشکل ترین سوالات حل کرنے میں لگا رہتا ہو۔ جو جھوٹ، چغلی، لڑائی جھگڑے سے دور رہتا ہو۔ گھوڑوں کو اپنی مرضی کے مطابق سدھا سکتا ہو۔ جو مکر و فریب اور زبانی جمع خرچ سے مختلط رہتا ہو۔ اور صرف اپنی معلومات پر بھروسہ اور یقین رکھتا ہو۔ کیا آپ ایسے شخص کو بے وقوف بدھو کند ذہن اور بد دیانت کہہ سکتے ہیں؟ آپ کا جواب یقیناً نفی میں ہو گا۔ یہ الگ بات ہے۔ کہ وہ عام لوگوں کی طرح بن ٹھن کر رہنے کا عادی نہ تھا۔ اور زیادہ تیز و طرار نہ تھا۔ اس میں ظاہری ٹیپ ٹاپ کا نام و نشان تک نہ تھا۔ اس کی سب سے بڑی اور غیر معمولی بات یہ تھی۔ کہ نپے تلے

عادات و اطوار کا مالک تھا۔ اس کے مزاج میں تذبذب اور تزلزل کا شائبہ تک نہ تھا۔ زبردست قوت استدلال کا مالک تھا۔ وہ جب بھی کسی کام میں ہاتھ ڈالتا تھا۔ اسے انجام تک پہنچا کر دم لیتا تھا۔ اس کا علم الاشیاء دیگر لوگوں سے انوکھا تھا۔ وہ پر عزم اور بے باک انسان تھا۔ وہ ایک ایسا ساتھی تھا۔ جس پر اعتماد کیا جاسکتا تھا۔ قابل رشک صحت کا مالک تھا۔ بڑے بڑے حادثات کا دلجمعی سے ڈٹ کر مقابلہ کرتا تھا۔ اس کے دل اور زبان سے ایک ہی لفظ ادا ہوتا تھا۔ اس کے ہونٹوں پر وہی آواز آتی تھی۔ جو اس کے قلب کی آواز ہوتی تھی۔ نہ وہ خود منافق تھا اور نہ منافقوں کو دوست بنانا پسند کرتا تھا۔ زندگی کے سفر میں ایسے ہی انسان بامراد اور کامیاب ہوتے ہیں۔

جب ہم واشنگٹن (یو ایس اے) کے پیٹنٹ ہاوس میں موجود اشیاء کو دیکھتے ہیں تو پتہ چلتا ہے۔ کہ بہت حد تک مکمل ہیں۔ مگر ان کے موجدوں نے انہیں تکمیل کے آخری مراحل میں چھوڑ دیا اگر وہ معمولی سی محنت مزید کر لیتے۔ اور دل برداشتہ ہونے کی بجائے استقلال اور مستقل مزاجی سے کام لیتے۔ تو کامیابی انکا مقدر بن جاتی۔ اور وہ آدمی مفلسی اور تنگ دستی کی زندگی بسر نہ کر رہے ہوتے۔ بلکہ شہرت اور ناموری کے تخت پر شاہانہ ٹھاٹھ سے متمکن ہوتے۔ اور دنیا ان کا نام نہایت ادب و احترام سے لیتی (لیکن ان میں مستقل مزاجی نہ تھی)

مشہور انگریزی لغت جس کا نام "وبسٹر انگلش ڈکشنری" ہے۔ کے مصنف و مولف "ڈینیل وبسٹر" دیکھنے میں ایک عام سا ان پڑھ لڑکا تھا۔ اپنی جماعت میں سب سے نالائق ترین سمجھا جاتا تھا۔ جب اس کو ہیمپشائر روانہ کیا گیا۔ تو وہ وہاں سے واپس بھاگ آیا۔ جب وہ راستے میں روتا ہوا آرہا تھا۔ تو ایک بوڑھی عورت نے اسے دلاسا دیا۔ اور رونے کا سبب دریافت کیا وبسٹر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ اور روتے روتے بتایا۔ کہ "میں عالم فاضل نہیں بن سکتا کیونکہ میں اپنی کلاس میں ہمیشہ سب سے پیچھے رہتا ہوں۔ میرے ہم جماعت مجھ پر طنز کرتے اور میرا مذاق اڑاتے ہیں۔ اسی لئے میں دل برداشتہ ہو کر لوٹ آیا ہوں۔ اب میں کبھی سکول نہیں جاؤں گا" اس عورت نے جو اس کے دوست کی والدہ تھی۔ اسے مشورہ دیا۔ کہ وہ واپس لوٹ جائے۔ اور خوب دل لگا کر محنت کرے۔ میں یقین سے کہتی ہوں۔ کہ تم بہت جلد اپنے تمام ساتھیوں سے لائق بن جاؤ گے۔ تم میری بات پر بھروسہ کرو۔ اور آزما کر دیکھو خدا معلوم کہ ان لفظوں میں کونسا جادو بھرا تھا۔ کہ وبسٹر دوبارہ سکول جا پہنچا۔ اور خوب دل لگا کر محنت کی۔ اور واقعی وہ اپنے تمام ہم جماعتوں سے تعلیم میں بڑھ گیا۔ آج کی دنیا والے اس کند ذہن لڑکے کو شہرہ آفاق عالم کی حیثیت سے جانتے ہیں۔ اس ساری کامیابی کا سہرا اس کی مستقل مزاجی اور محنت کے سر ہے۔

مشہور ناولسٹ خاتون جارج ایلیٹ نے خود لکھا ہے۔ کہ 1856ء کے بعد تجربے میری زندگی

ایک نئے دور میں داخل ہوئی۔ اس کی وجہ اس نے یہ بتائی۔ کہ میں نے ناول نویسی کی ابتدا کی۔ جبکہ اس سے پہلے میرے دل میں ہلکی سی خلش پیدا ہوتی تھی۔ کہ کاش میں بھی کبھی ناول نگار بن جاؤں گی۔ شروع کے دنوں میں میں نے چند ناولوں کے ابتدائیے لکھنے شروع کئے لیکن بہت جلد میں نے محسوس کیا۔ کہ میں ناول نگار نہیں بن سکتی اسی خیال کے پیش نظر میں نے ناول نویسی کی بجائے کہانی لکھنے کی مشق شروع کر دی۔ میں ایک کہانی لکھتی چلی گئی۔ میری یہی کہانی میرا پہلا ناول بن گئی۔ اور یہ میرا پہلا کامیاب ناول تھا۔ اس ناول کو آپ سب بھی جانتے ہونگے۔ اس کا نام SCENES From Clerical Life تھا۔

میری کامیابی اور ادبی زندگی کا راز بس یہ تھا۔ کہ میں لگاتار محنت کرتی رات کا آرام بھی تج کر دیا۔ سچ ہے۔ جو شخص خلوص دل اور مستقل مزاجی سے کام کرتا رہے وہ ضرور کامیاب ہوتا ہے۔

ایسا ہی ایک واقعہ مشہور روسی ناول نگار مسٹر میکسم گورکی سے تعلق رکھتا ہے۔ سنئے مسٹر میکسم گورکی روس کا ایک ان پڑھ لڑکا تھا۔ اس نے لکھنے پڑھنے کی معمولی شد بد اپنے عزیزوں رشتہ داروں اور اپنے ساتھ ملازمت کرنے والوں سے حاصل کی۔ جس کے بعد وہ ایک بحری جہاز میں بحیثیت مزدور بھرتی ہوگیا۔ وہ نمک کے دلدلی علاقوں میں کام کرتا رہا۔ مگر اپنی پڑھائی بھی جاری رکھی۔ اس کو زیادہ سے زیادہ کتابیں پڑھنے کا جنون تھا۔ اس کی خواہش تھی۔ کہ زیادہ سے زیادہ کتابیں پڑھ کر معاشرے میں پائی جانے والی ناانصافیوں اور جور و جفا کے خلاف قلمی بغاوت کرے۔ جسے وہ بہت بڑا جہاد سمجھتا تھا۔ ایک طویل مشکلات سے بھرپور زندگی گزارنے کے بعد اس نے قلم ہاتھ میں لیا۔ اور لکھنا شروع کر دیا۔ دنیا جانتی ہے۔ کہ اس کی پہلی کہانی بھی مقبول ہوئی۔ مگر جتنی شہرت اسے مشہور زمانہ ناول "ماں" لکھ کر حاصل ہوئی وہ حد و حساب سے باہر ہے۔ پوری دنیا میں اس کا نام اتنا مشہور ہوا۔ کہ شاید کسی اور کا ہوا ہو اسی ناول کی وجہ سے روس میں "انقلاب اکتوبر" برپا ہوا۔ جس میں اس ناول نے بہت بڑا کردار ادا کیا۔ اس کتاب کے متعلق خود لینن کہا کرتا تھا۔ کہ ہر روسی کو اس کتاب کا مطالعہ ضرور کرنا چاہئے۔ کہ یہ حق و صداقت، انسانیت اور مساوات کا پیغام دیتی ہے۔ میکسم گورکی کے ناول "ماں" کا شمار دنیا کے چھ بہترین ناولوں میں ہوتا ہے۔ ہو سکتا ہے۔ اگر میکسم گورکی مستقل مزاجی سے اپنی پڑھائی کی طرف دھیان نہ دیتا۔ تو آج دنیا میں کوئی بھی اس کے نام و کام سے واقف نہ ہوتا۔

یہ بالکل درست ہے۔ کہ کسی انسان کی کامیابی میں ذہانت کا بہت زیادہ دخل ہوتا ہے۔ مگر مستقل مزاجی کا حصہ ذہانت سے بہت زیادہ ہوتا ہے۔ جب ہم دنیا کے مشہور بڑے بڑے آدمیوں کے حالات پڑھتے ہیں۔ تو پتہ چلتا ہے۔ کہ مستقل مزاجی ان کی سب سے نمایاں خاصیت رہی ہے۔

یہ بات بھی یاد رکھنے کے لائق ہے۔ کہ کوئی بھی فاضل شخص فضیلت اسی وقت حاصل کر سکتا ہے۔ جب اس نے ایک سبق کے بعد دوسرا سبق پڑھا ہو۔ کسی بھی مزدور کی کامیابی کا راز اس بات میں ہے۔ کہ وہ ایک کے بعد دوسری اور پھر لگاتا چوٹ پر چوٹ لگاتا چلا جائے۔ کوئی کسان یا کاشتکار تبھی کامیابی حاصل کر سکتا ہے۔ جب وہ ایک فصل کے بعد دوسری فصل کاشت کرتا اور اٹھاتا چلا جائے۔ مصور تبھی مشہور ہو سکتا ہے۔ جب وہ ایک تصویر کے بعد دوسری تصویر بناتا ہوا آگے بڑھتا رہے۔ کوئی مسافر اپنی منزل پر اسی وقت پہنچ سکتا ہے۔ جب وہ ایک میل کے بعد دوسرے میل کا سفر طے کرتا چلا جائے۔

پوری دنیا یہ بات اچھی طرح جانتی ہے۔ کہ انگریزی زبان کے مشہور زمانہ مایہ ناز ناولسٹ اور افسانہ نویس "مسٹر جوزف کونراڈ" پولینڈ کا رہنے والا تھا۔ اس کی مادری زبان پولش تھی وہ انگریزی کی ابجد سے قطعی ناواقف تھا۔ اس نے اپنے دل میں یہ عہد کیا تھا۔ کہ وہ بحری زندگی اپنائے گا۔ اس کے ماں باپ اور دوست احباب نے اس کی مخالفت کی۔ اور اسے اس خیال سے دور رکھنے کی بہت کوشش کی۔ مگر اس پر جوں تک نہ رینگی۔ اور ایک دن بحری جہازوں میں ملازمت حاصل کر لی۔ سمندری سفر کے دوران ہی اسے انگریزی زبان پڑھنے کا شوق پیدا ہوا۔ اس شوق کی دلچسپی کی وجہ سے اس نے دیگر تمام شوق ختم کر دیئے۔ اس نے دن رات ایک کر کے انگریزی زبان میں کافی زیادہ مہارت حاصل کر لی۔ اب وہ اتنی عمدہ انگریزی لکھ پڑھ اور بول سکتا تھا۔ کہ اہل زبان بھی دنگ رہ جاتے تھے۔ انگریزی میں مکمل مہارت حاصل کر لینے کے بعد جوزف کونراڈ نے افسانے اور ناول لکھنے کی ابتدا کی۔ جب اس کی کتابیں بازار میں فروخت ہونے لگیں۔ تو یورپ کے انگریز اہل زبان و ادب کے علاوہ شعرا حضرات انگشت بدندان رہ گئے۔ کیونکہ جوزف کی انگریزی نثر بے مثال وضاحت و بلاغت کے علاوہ مسامعہ نواز صوتی اثرات کا انمول خزانہ تھی۔

آج پولینڈ کے عوام کے کو فخر ہے۔ کہ جوزف کونراڈ ان کا بھائی اور سپوت ہے۔ جبکہ انگلستان والوں کو فخر ہے۔ کہ کونراڈ انگلش نثر نگار ہے۔ آج اسے بے مثل اور کلاسیکی نثر نگار مانا جاتا ہے۔ یہ صرف اتفاق نہ تھا۔ اس کے پیچھے جوزف کونراڈ کی انتھک محنت اور مستقل مزاجی کا بہت زیادہ دخل ہے۔ سچ ہے۔ کہ انسان کو اپنی مستقل مزاجی اور محنت کا پھل ضرور ملتا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ اقوام عالم کی قسمت پر آج تک کسی ایجاد نے اتنا اثر نہیں ڈالا جتنا اسٹیم انجن نے ڈالا ہے۔ اس انجن کی ایجاد کا سہرا "مسٹر واٹ" کے سر ہے۔ آپ کو یہ سن کر یقیناً حیرانی ہوگی کہ بھاپ کی طاقت سے چلنے والے انجن کی ابتدا آج سے بہت پہلے یعنی دو سو پچاس سال قبل مسیح میں "ہیرو" نامی شخص نے کی تھی۔ بیشک یہ آلا اپنے ابتدائی دور میں موٹا اور بھدا تھا۔ مگر اس میں

اسٹیم انجن کا بنیادی نظریہ موجود تھا۔ کاش مسٹر ہیرو اپنے اس تجربے سے ظہور پذیر ہونے والی دریافت پر مستقل مزاجی سے تھوڑی بہت محنت اور کرتا رہتا۔ تو یقیناً ایجادات کی تاریخ اب کی نسبت دو ہزار برس آگے بڑھ گئی ہوتی۔ یعنی آج ہم کہتے ہیں۔ کہ کوئی شے ایک سو سال پہلے ایجاد ہوئی۔ پھر ہم کہتے اسٹیم انجن اکیس سو سال پہلے ایجاد ہوا تھا۔

"پروفیسر ورمنٹ" کو ایک شیشہ دکھایا گیا۔ جو ایک مشہور کان سے نکلا تھا۔ کان کے مالک کو یقین کامل تھا۔ کہ اس کان سے سونا ضرور نکلے گا۔ اس نے کان کی تہ میں ایک سرنگ کھودنے کا حکم دیا۔ جب سرنگ کی لمبائی یعنی گہرائی ایک میل ہوئی۔ اس وقت تک اس پر مالک کے ایک لاکھ ڈالر خرچ ہو چکے تھے۔ ڈیڑھ سال کے عرصہ میں یہ سرنگ مکمل ہوئی مگر اس میں سونے کے نشانات نہ ملے۔ مالک دل برداشتہ ہو کر کام چھوڑ بیٹھا۔ اس کان کو ایک اور کمپنی نے خرید کر کام شروع کر دیا۔ انہوں نے سرنگ کی مزید کھدائی کا فیصلہ کیا۔ جب کھدائی کا کام شروع ہوا۔ تو انہوں نے بمشکل ایک گز یا اس سے کچھ زیادہ سرنگ کھودی تو اس میں سے سونے کی کچی دھات نکلنا شروع ہو گئی۔

کاش کان کا مالک تھوڑی مستقل مزاجی سے کام لیتا۔ تو اس کو اس کی محنت کا پھل ہاتھ آ جاتا ہم پر لازم آتا ہے۔ کہ اپنی زندگی میں مستقل مزاج رہیں ہو سکتا ہے ہماری زندگی کا سونا ہم سے صرف ایک گز کے مختصر فاصلے پر ہمارا منتظر ہو۔

معمولی معمولی باتیں

چند بیش قیمت مگر مختصر مختصر باتیں پیش کرتا ہوں۔

1- ذرا سی فیاضی آپ کو بے پایاں روحانی مسرت عطا کر سکتی ہے۔
2- گھر بھر کی خوشی کے لئے ذرا سی محبت ہی کافی ہوتی ہے۔
3- قوموں کی تقدیر ایک ہی لمحہ پر منحصر ہوتی ہے۔
4- چند مربوط سروں میں سے ایک سر توڑ دیا جائے تو بھی سر خود بخود ٹوٹ کر بے سر ہو جاتے ہیں۔
5- ذرا صبر سے کام لو بادل چھٹ جائیں گے۔ روشنی اور دھوپ نکل آئے گی۔
6- شیریں الفاظ اگرچہ بہت ہی معمولی چیز ہیں۔ مگر ان کی مدد سے آپ بڑے سے بڑا اہم کام پایہ تکمیل

تک پہنچا سکتے ہیں۔ اور سینکڑوں مایوس انسانوں کو ایک نیا حوصلہ عطا کر سکتے ہیں۔

کہا جاتا ہے۔ کہ جن دنوں ٹھیک ٹھیک وقت بتلانے والا گھڑیال "مسٹر ہنری وک" نے تیار کر کے شاہ فرانس چارلس کے دربار میں پیش کیا۔ تو بادشاہ گھڑیال کو دیکھتے ہی کہنے لگا۔ "گھڑیال تو تم نے بہت اچھا بنایا۔ مگر اس کے ڈائل پر ہندسے لکھنے میں غلطی کر گئے ہو" ہنری نے عرض کی "حضور والا مجھے تو اس میں کوئی خامی نظر نہیں آتی" چارلس نے بتایا۔ اس میں غلطی یہ ہے۔ کہ تم نے اس پر چار کا ہندسہ غلط طریقہ سے لکھا ہے۔ اس میں چاہئے یہ تھا۔ کہ واحد ہندسہ کی جگہ چار اکائیاں ،،،، ہوتیں۔ ہنری وک نے مخالفت کرتے ہوئے عرض کیا۔ "جی نہیں ایک ہندسہ ،، ہی ٹھیک رہے گا" شاہ چارلس بضد رہا۔ کہ نہیں چار اکائیاں ہی ہونی چاہیں۔ ہنری نے ڈرتے ڈرتے عرض کیا۔ "حضور والا غلطی فرما رہے ہیں" بادشاہ نے خفگی کا اظہار کرتے ہو حکم دیا۔ "ہم کچھ غلطی نہیں کرتے اٹھاؤ اپنے اس گھڑیال کو اور غلطی درست کر کے لاؤ" گھڑیال کے موجد نے تعمیل حکم میں دیر نہ کی اور ،، کی بجائے ،،،، اکائیاں لکھ دیں۔ بس وہ دن اور آج کا دن دنیا میں بننے والے گھڑیالوں کا چار کا ہندسہ چار اکائیوں کی صورت میں ہی لکھا جاتا ہے۔

1- ایک بگھی کے اتفاقاً الٹ جانے کی وجہ سے واشنگٹن کی پیدائش ریاستہائے متحدہ امریکہ میں ہوئی۔

2- ایک کان کنی کرنے والے مزدور کی معمولی غلطی سے کنواں کھودتے وقت ہر کولینم کی دریافت ہو گئی۔

3- سمندری سفر میں ایک چھوٹی غلطی سرزد ہو جانے سے جزیرہ "مڈیرا" دریافت ہوا۔

4- ہنگری کے ایک گاؤں جس کا نام "سیمنی تھی" ہے میں ایک لڑکا ماچس کی تیلیوں سے کھیل رہا تھا۔ کہ ایک ماچس کی تیلی کے جل اٹھنے سے دو سو تیس مکانات جل کر راکھ کا ڈھیر بن گئے تھے۔

5- انگریزی کے حرف تہجی "آئی i" پر معمولی سا نقطہ نہ لگانے اور حرف "ٹی T" پر کاٹا نہ لگانے کی وجہ سے دنیا بھر میں کروڑوں ڈالروں کا نقصان وقوع پذیر ہو چکا ہے۔

مشہور جرنیل مسٹر گرانٹ کا کہنا ہے۔ کہ ایک دن اس کی ماں نے اسے پڑوسن سے مکھن لانے کے لئے بھیجا۔ جب میں پڑوسی کے گھر پہنچا۔ تو وہاں ایک خط پڑھ رہے تھے۔ جس کے مضمون سے مجھے پتہ چلا کہ "ویسٹ پائنٹ" میں ایک جگہ خالی ہونے والی ہے۔ میں نے گھر واپس پہنچتے ہی اپنی درخواست بھجوا دی۔ مجھے طلبی کی اطلاع ملی۔ میں وہاں گیا۔ اور مجھے ملازمت کا پروانہ مل گیا۔ میں پہلے تو اس ملازمت میں جرنل بنا۔ پھر جلد ہی صدر رہا۔ مسٹر گرانٹ نے لکھا ہے۔ کہ اگر میں اس دن پڑوسن کے گھر مکھن لینے کے لئے نہ جاتا۔ تو میں نہ تو جرنل بن سکتا۔ اور نہ ہی صدر کیونکہ ان بلند عہدوں تک پہنچنے کا میں خواب بھی نہیں دیکھ سکتا تھا۔

ایک خوبصورت حسینہ جس کا چہرہ چاند جیسا اور تبسم دلفریب تھا۔ کی وجہ سے "تراے ،،،،،،" کا

دس سال تک محاصرہ کیا گیا۔ یعنی دس سالہ محاصرہ کی بنیاد پڑی۔ اور پھر یہی محاصرہ "ہومر" کی لافانی اور لاثانی نظم "ایلیڈ" کی ابتدا کا باعث بنا۔

کہتے ہیں۔ کہ ایک چھوٹا بچہ جس کا نام "جیمس واٹ" تھا اپنے گھر میں انگیٹھی کے نزدیک بیٹھا کھانے کا انتظار کر رہا تھا۔ کھانا قریب ہی پک رہا تھا۔ اس نے دیکھا۔ کہ انگیٹھی پر رکھی پانی کی دیگچی کا ڈھکن بھاپ کی طاقت سے بار بار اوپر اٹھتا تھا۔ اور واٹ بڑی حیرانگی سے یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ اور سوچ بھی رہا تھا۔ دنیا نے دیکھ لیا۔ کہ اس کا تجسس ایک عظیم ایجاد کا باعث بنا دنیا کی تمام آبادی بھاپ کی توانائی کے لئے اس چھوٹے سے واقعہ کی ممنون ہے۔ اگر بھاپ کی قوت کا پتہ نہ چلتا۔ تو آج ہمیں یہ سمندری جہاز ریل گاڑیاں اور بے شمار صنعتیں جو بھاپ کی طاقت سے چلتی ہیں۔ نظر نہ آتیں۔

1005ء میں موڈنیا کی سلطنت کے چند اہل کار ریاست "بولونا" کے ایک سرکاری کنویں سے ایک ڈول اٹھا کر لے گئے۔ اس ڈول کی قیمت چند چھوٹے سکوں سے زیادہ نہ تھی۔ مگر دونوں حکومتوں کے درمیان ایک خوفناک جنگ شروع ہوئی جو پورے چوبیس برس تک لڑی جاتی رہی۔

ایک مشہور واقعہ جو سان فرانسکو کے ایک مشہور اخبار میں شائع ہوا تھا۔ ذیل میں پیش کرتا ہوں۔ واقعہ کچھ اس طرح ہے۔ کہ شہر کے بہت بڑے تاجر کا کلرک متواتر تین ہفتوں تک پریشانی کے عالم میں جاگتا رہا۔ کیونکہ اس کے حساب میں کچھ فرق آرہا تھا۔ اور بسیار کوششوں کے بعد بھی غلطی کا پتہ نہیں لگ رہا تھا۔ ان تین ہفتوں میں وہ جمع تفریق کا عمل بار بار دہراتے رہنے کی وجہ سے دیوانہ سا ہوا جا رہا تھا۔ اس کی یہ حالت اس حد تک خراب ہو گئی۔ کہ ایسے حالات میں لوگوں کو پاگل خانہ بھجوا دیا جاتا ہے۔ یا پھر ایسے اشخاص خودکشی پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ اتفاق سے دکان کے مالک نے کلرک کو پریشان حالت میں دیکھ کر پریشانی کی وجہ دریافت کی نیز اسے اپنے اعتماد میں بھی لے لیا۔ کلرک نے بتایا۔ کہ حساب میں نو سو ڈالر کا فرق آرہا ہے۔ میری تمامتر کوششوں کے باوجود بھی غلطی کا پتہ نہیں چلا۔ مالک نے حساب کتاب کے رجسٹر خود چیک کرنا شروع کئے۔ ایک جگہ اسے انیس سو ڈالر کا اندراج ملا۔ اس نے اپنے ملازم سے پوچھا۔ کہ یہ اندراج تو صرف ایک ہزار ڈالر کا ہونا چاہئے تھا۔ یہ انیس سو کا کیسے ہو گیا۔ تمام متعلقہ دستاویزات میں بھی ایک ہزار تھا۔ جب اس کی چھان بین کی گئی۔ تو پتہ چلا۔ کہ کیش بک میں اس جگہ ایک مردہ مکھی ملی۔ جس کی مردہ ٹانگ عین جگہ اس چپکی ہوئی تھی۔ جہاں بینکرے کی صفر والا ہندسہ تھا۔ اور اس انداز میں چپکی کہ صفر کا ہندسہ نو معلوم دینے لگا۔ اور اس طرح رقم ایک ہزار کی بجائے انیس سو پڑھی جاتی رہی۔

آپ یقیناً یہ پڑھ کر حیران ہوں گے۔ کہ ایک چابی کی خاطر دنیا کی مشہور حملہ لڑائی "جنگ کریمیا" لڑی گئی تھی۔ واقعہ اس طرح ہے۔ کہ یروشلم کی ایک متبرک عبادت گاہ میں ایک گرجا پر یونانی کلیسا نے دعویٰ کیا کہ یہ ان کی ملکیت ہے۔ اور اس پر قبضہ کر کے تالا لگا دیا لاطینی کلیسا نے بھرپور احتجاج

کرتے ہوئے تالے کی چابی طلب کی۔ انکار کرنے پر دونوں میں اتنی کشیدگی پیدا ہو گئی۔ کہ دنیا کی چار بڑی طاقتیں آپس میں دست و گریباں ہو گیں۔ روس' یونان کی مدد کے لئے آ گیا۔ فرانس' لاطینی کلیسا کی حمایت کا دم بھرنے لگا ان دونوں یعنی روس اور فرانس میں مذاکرات شروع ہوئے۔ لیکن جھگڑا ختم ہونے کی بجائے بڑھتا چلا گیا۔ روس نے ترکی پر زور دیا۔ کہ وہ خانقاہ کی ضروری مرمت کا انتظام کرنے کی ذمہ داری پوری کرے' ترکی نے صاف انکار کر دیا۔ برطانیہ ترکی کا مددگار بن کر میدان کارزار میں آ دھمکا۔ اور روس کے خلاف فرانس سے معاہدہ کر لیا۔ اور اس موقع پر چھ سو سواروں والا مشہور شروع ہوا۔ اس حملہ کو "میلا کاف" کا حملہ بھی کہا جاتا ہے۔ اس جنگ میں ہزاروں آدمی جنگ کی نذر ہو گئے۔ بے حد و حساب فوجی زخمی ہوئے کیا آپ کو یاد ہے۔ کہ یہ سب کچھ صرف ایک چابی کی خاطر وقوع پذیر ہوا۔

اس واقعہ پر اگرچہ لوگوں کو یقین نہیں آتا۔ مگر یہ اتنا ہی سچ ہے۔ جس طرح دن کے بعد رات کا ہونا۔ ہوا یوں۔ کہ شاہ لوئی فلپ کے بیٹے ڈیوک آف اورلینز نے اپنے دوستوں کے ساتھ ایک دعوت میں شرکت کی۔ وہاں محفل شراب و کباب گرم تھی۔ اور ڈیوک اپنے معمول سے ایک جام شراب زیادہ پی گیا۔ جب وہ دوستوں سے جدا ہوا۔ تو اس نے ایک گھوڑا گاڑی لی۔ جس کے گھوڑے نامعلوم وجہ سے بدک گئے۔ ڈیوک نے فوراً گھوڑا گاڑی سے باہر چھلانگ لگا دی۔ چونکہ وہ نشہ میں بدمست تھا۔ اس لئے وہ اپنا توازن قائم نہ رکھ سکا۔ وہ کسی سخت چیز سے ٹکرا گیا۔ چوٹ اتنی شدید تھی۔ کہ اس کی روح اس کے جسم سے پرواز کر گئی شراب کے ایک گلاس نے ولی عہد فرانس کی جان لے لی۔ اس واقعہ کے بعد پورے کا پورا خاندان جلاوطن کر دیا گیا۔ ان کی تمام جائیدادیں ضبط کر لی گئیں۔ اس طرح اس کے خاندان کی فرانس میں حکمرانی ہمیشہ کے لئے ختم ہو گئی۔

برطانیہ میں عجیب و غریب واقعہ اس طرح پیش آیا۔ کہ ایک ادھیڑ عمر شخص جو شادی کرنا چاہتا تھا۔ اس کی پیشانی پر کچھ بال سفید ہو گئے تھے۔ اور یہ سفید بال اس کی ہونے والی منگیتر کو پسند نہ تھے۔ وہ اپنے منگیتر سے ناراض ہو گئی۔ اس شخص نے لڑکی کو خوش کرنے کے لئے اپنی منگیتر سے کہا۔ کہ اگر اسے یہ بال پسند نہیں ہیں۔ تو ان کو اپنے ہاتھ سے اکھاڑ دے۔ جب لڑکی نے بال کھینچ کر اکھاڑ دیئے۔ تو بالوں کی جگہ پر کچھ سوجن نکل آئی۔ مرد نے زیادہ پرواہ نہ کی۔ اگلے روز اس کا پورا چہرہ سوج کر پھول گیا۔ اور ورم تمام چہرے پر پھیل گیا۔ جب ڈاکٹر نے علاج شروع کیا۔ تو اسے کوئی افاقہ نہ ہوا۔ اور وہ صرف ایک ہفتے کے اندر ہی موت کے منہ میں چلا گیا۔ دنیا میں بہت سے اہم واقعات صرف معمولی معمولی وجوہات سے ظہور پذیر ہوتے ہیں۔

فلاڈلفیا میں ایک آدمی ایک سوئی کے چبھنے سے مر گیا۔ ہوا یوں کہ اس شخص نے اپنے بستر سے چھلانگ لگائی۔ تو زمین پر پڑی ہوئی سوئی اس کے پاؤں میں چبھ گئی۔ اور اس کا زہر پورے جسم میں سرایت

کر گیا۔

یہی زہر اس کی موت کا سبب بن گیا۔

ایسا ہی واقعہ شکاگو شہر میں پیش آیا۔ جہاں ایک لڑکا نوک دار چاقو سے سیب چھیل رہا تھا۔ اتفاق سے چاقو کی نوک لڑکے کی ہتھیلی کو بھی چھیل گئی۔ صرف دس دن کے مختصر مدت میں وہ لڑکا زہر پھیل جانے کی وجہ سے ہلاک ہو گیا۔

انگلستان کی شہزادی ایلس کے چھوٹے بچے کو خناق کی بیماری لاحق ہو گئی۔ اس نے ڈاکٹروں سے اجازت طلب کی کہ وہ اپنے بچے کو پیار کرنا چاہتی ہے۔ ڈاکٹروں نے اسے ایسا کرنے سے منع کیا۔ اس پر ڈاکٹروں کی ہدایت گراں گزری۔ اس نے ممتا سے مجبور ہو کر اپنے بچے کے گلے کا بوسہ لے لیا۔ آپ کو یقین نہیں آئے گا۔ کہ یہی بوسہ جو ماں نے پیار سے لیا تھا۔ خود اس کی موت کا پروانہ بن گیا۔ اور وہ مر گئی۔

مشہور ناول نگار "مسٹر چارلس ڈکنز" نے اپنے ایک ناول میں لکھا تھا۔ کہ کسی نے اس سے سوال کیا کہ ذہین لوگ کون ہوتے ہیں؟ مسٹر چارلس کا جواب تھا۔ کہ جو لوگ چھوٹی چھوٹی باتوں پر خاص طور پر توجہ دیتے ہیں۔ وہی لوگ ذہین ہوتے ہیں۔

"براڈو" ایک نامور وکیل کے چپڑاسی نے ایک ڈاک کے لفافہ پر دو سینٹ کے ٹکٹ کم لگا کر لفافہ پوسٹ کر دیا۔ اس لفافہ میں ایک مشہور مقدمہ کا استغاثہ اور سمن تھے۔ مدعا علیہ کے وکیل کو جب یہ لفافہ موصول ہوا۔ تو اس نے محکمہ ڈاک کو کم لگائے گئے۔ ٹکٹوں کی مالیت یعنی دو سینٹ ادا کر دیئے۔ جب عدالت میں مقدمہ پیش ہوا۔ تو وکیل نے اعتراض اٹھایا۔ کہ جو کاغذات اسے بھجوائے گئے ہیں۔ وہ غیر قانونی طریقہ سے بھیجے گئے ہیں گو میں نے وہ بیرنگ لفافہ وصول کر لیا ہے۔ لہٰذا مقدمہ کا فیصلہ میرے حق میں کیا جانا چاہئے۔ عدالت نے مستغیث کے وکیل سے جواب طلب کیا۔ کہ وہ وجہ بیان کرے۔ کہ مقدمہ کا فیصلہ مدعا علیہ کے حق میں کیوں نہ کر دیا جائے۔ اس اہم قانونی نقطہ پر عدالت میں خوب بحث کی گئی۔ کئی اقسام کے اقرار نامے داخل کرائے گئے۔ انجام کار مدعا علیہ کے وکیل کو تیس ڈالر بطور خرچہ ادا کرنے پڑے۔ اور مقدمہ کی سماعت از سر شروع کی گئی۔ چپڑاسی کی ذرا سی غلطی کی وجہ سے عدالت کے دو گھنٹے وقت ضائع ہوا۔ تیس ڈالر کا خرچہ بڑھا۔ دو مشہور اور نامی گرامی وکلاء کو کافی رقم بطور فیس ادا کرنا پڑی۔ تب کہیں جا کر اس معمولی غلطی کا ازالہ ہوا۔

"ہیٹس برگ" کے بازار میں ایک لنگڑا شخص چلا جا رہا تھا۔ راستے میں کیچڑ بہت زیادہ تھا۔ اس معذور شخص کا پاؤں پھسل گیا۔ اور وہ کیچڑ میں گر گیا۔ اس کی ٹوپی اس کے سر سے اڑ کر ایک راستہ چلتے لڑکے کے پاؤں میں جا گری۔ اس لڑکے نے پاؤں کی ٹھوکر مار کر ٹوپی کو پرے پھینک دیا۔ اسی راہ پر ایک اور لڑکا چلا آ رہا تھا۔ اس نے فوراً ٹوپی اٹھائی۔ اور اس لنگڑے شخص کے سر پر رکھ دی۔ اور اسے سہارا دیکر

کھڑا کیا۔ اور اسے اس کے ہوٹل تک پہنچا آیا۔ معذور شخص نے لڑکے کا شکریہ ادا کیا۔ اور اس کا پتہ لکھ لیا۔ آپ یقین مانیں کہ صرف ایک ماہ کے بعد اس دوسرے لڑکے کو ایک ہزار ڈالر کا چیک وصول ہوا۔ جو اس کے معمولی کام کا صلہ تھا۔

ایک عینک ساز کا لڑکا جو اپنے بھائی کے ساتھ کھیل رہا تھا۔ اس نے کھیل کھیل میں دو شیشے اکھٹے کر کے ان میں سے ایک گرجا گھر کو دیکھا۔ اس نے محسوس کیا۔ کہ گرجا گھر اس کے قریب نظر آیا۔ اس نے یہ تماشا اپنے دوسرے بہن بھائیوں کو بھی دکھایا۔ جو حیران بھی ہوئے۔ اور لطف اندوز بھی ہوئے۔ وہ سب اکھٹے ہو کر اپنے والد کے پاس پہنچے۔ اور ان کو بھی یہ بات سنائی۔ اور تماشا بھی دکھایا۔ ان کا باپ بھی یہ دیکھ کر خوش ہوا۔ اور حیران بھی اس کے دل میں خیال پیدا ہوا۔ کہ وہ اس طرح کا ایک کھلونا بنائے گا۔ جس سے بڑی عمر کے لوگ علمی سبق حاصل کر سکیں گے۔ اس نے اس مقصد کے لئے "گیلی لیو" سے مشورہ کیا۔ "گیلی لیو" چونکہ ذہین شخص تھا۔ وہ فوراً معاملہ کی نزاکت کو سمجھ گیا۔ کہ اس طرح سے ماہرین فلکیات کو بہت فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ چنانچہ اس نے ایک چھوٹی سی دوربین بنائی۔ یہ وہی معمولی سی دوربین تھی۔ جو آیندہ چل کر بڑی بڑی ٹیلی سکوپ بنانے کی بنیاد بنی۔

معزز قارئین کو یہ چھوٹی چھوٹی باتیں اس لئے سنائی اور بتائی جا رہی ہیں۔ کہ وہ کبھی بھی کسی حالت میں بھی کسی بات کو معمولی سمجھ کر غفلت نہ کریں۔ یہ معمولی اور چھوٹی چھوٹی باتیں ہی بڑی بڑی اہم باتیں بن کر بڑی نتیجہ خیز ثابت ہوتی ہیں۔ جو شخص چھوٹی باتوں اور معمولی نقایص اور غلطیوں پر توجہ نہیں دیتا۔ وہ اکثر نقصان اٹھاتا ہے۔ ان معمولی باتوں پر توجہ کرنے والا شخص کبھی کبھی اس شخص سے بڑا بن جاتا ہے۔ جو بڑی بڑی رکاوٹوں پر غلبہ حاصل کر لیتا ہے۔ یہ گر یاد رکھیں کہ جو شخص معمولی باتوں پر توجہ نہیں دیتا۔ وہ کبھی بڑا آدمی نہیں بن سکتا۔

ضبط نفس

درج بالا عنوان پر اظہار خیال کرنے سے پہلے چند مشاہیر کے اقوال پیش ہیں۔

I- مسٹر گوئٹے کا کہنا ہے کہ: میں اپنے آپ پر قادر ہوں۔

II- مسٹر میگر کا فرمانا ہے کہ: اگر آپ دوسروں پر حکومت کرنا چاہتے ہیں تو پہلے خود پر حکومت کریں۔

III- مسٹر بینٹ جسٹ کہتے ہیں کہ: پر سکون رہو گھبراؤ نہیں خود پر ضبط کرو یہ تمہاری کامیابی کا راز ہے۔

IV- مسٹر طامس کا خیال ہے کہ: جس نے اپنے آپ کو زیر نہیں کیا وہ فاتح ہونے کے باوجود غلام ہی رہے گا۔

V- جناب رابرٹسن نے کہا ہے کہ: کردار کی مضبوطی میں دو صفات شامل ہیں۔ ایک قوت ارادی اور دوسری ضبط نفس۔

VI- برولٹس کہتا ہے کہ: اے پڑھنے والے ذرا غور سے پڑھ کیا تیری روح قطبی ستارے سے اوپر اڑتی ہے یا کسی پست کام کے پیچھے زمین کے سوراخوں میں گھستی ہے۔ یہ جان لے کہ ضبط نفس دانائی کی جڑ ہے۔

VII- جارج ایلیٹ کہتی ہے کہ: عورتوں کے غم و آلام کا نصف محض ان فضول باتوں کا نتیجہ ہوتا ہے۔ اگر وہ اپنی زبان پر قابو رکھیں تو جھگڑے فساد وقوع پذیر نہ ہوں۔

VIII- مسٹر جیمز بولٹن نے کہا ہے کہ: صرف ایک غضب آلود بات پورے کنبے یا پورے گاؤں یا پورے ملک میں آگ لگا سکتی ہے۔ دنیا میں جتنے مقدمات ہوئے ہیں اور جتنی جنگیں لڑی گئی ہیں۔ ان میں سے نصف محض زبان کے طفیل ہوئی ہیں۔

IX- مسٹر ڈگلس ہیرالڈ کا فرمانا ہے کہ: لڑائی جھگڑے تو دنیا میں ہوتے ہی رہتے ہیں مگر ہمیشہ کے لئے دلوں کا ٹوٹ جانا اور تعلقات کا قطع ہو جانا بہت برا ہے۔ جدائی کا آخری لفظ جہنم کے عذاب سے زیادہ اذیت ناک ہے۔ میاں بیوی کو جھگڑ کر اس لفظ تک نہیں پہنچنا چاہیے۔

مشہور حکیم سقراط جو یونان کا رہنے والا تھا۔ اس کا دستور تھا۔ کہ جب اسے اپنے اندر غصہ کا احساس ہونے لگتا تھا۔ تو وہ بولتے بولتے اپنے الفاظ کو منہ میں دبا لیتا تھا۔ اور آواز پر قابو پا لیتا تھا۔ اس طرح کرنے سے وہ تند و تیز جذبات پر غلبہ پا لیتا تھا۔ اگر آپ کو بھی کسی وجہ سے غصہ آجائے۔ تو آپ بھی اپنے منہ کو بند کر لیا کریں اس طرح آپ کا غصہ بڑھ نہ سکے گا۔ کیونکہ دیکھا گیا ہے کہ بہت سے آدمی اسی غصہ کی وجہ سے اپنی جان گنوا بیٹھے ہیں۔ تیز مزاجی اور غصہ آپ کے جسم کی تندرستی پر بہت بری طرح اثر انداز ہوتے ہیں۔

شاید جارج برٹ نے اسی وجہ سے کہا تھا۔ کہ جب آپ بحث مباحثہ کریں تو پر سکون رہیں۔ کیونکہ ایسا کرنے سے آپ لڑائی مار کٹائی سے محفوظ رہیں گے۔ اور دوسرے لوگ آپ کے اخلاق سے اچھا اثر لیں گے۔

ایک مشہور طبیب فرماتے ہیں کہ بہت زیادہ محنت گرم اور سرد موسم کا اثر متوازن اور قوت

بخش غذا کی کمی ناموزوں رہائش کے علاوہ غفلت اور بداعتدالی یہ تمام عناصر انسانی زندگی کے لئے زہر ہلاہل کام کرتے ہیں۔ لیکن ان سب سے بڑھ کر جتنی تباہی و بربادی جذبات کی تیزی اور تند مزاجی پھیلاتی ہے۔ کوئی اور چیز نہیں پہنچا سکتی۔ تند مزاجی ایسی عادت ہے۔ جو نہ صرف آپ کی کامیابی کی راہ میں رکاوٹ کا سبب بنتی ہے بلکہ آپ کی عمر کو بھی کم کرنے میں ممد بنتی ہے۔

"مسٹر مرابو" کسی مقام پر تقریر کر رہا تھا۔ اسی مجلس میں "مسٹر ڈوماں" بھی موجود تھا سامعین مقرر کے ہر ہر لفظ پر اسے گالی گلوچ کے انعامات سے نوازتے جاتے تھے۔ کسی کے منہ سے نکلتا "چغل خور" کوئی کہتا "جھوٹا" کسی نے "قاتل" کہہ کر نوازا۔ جبکہ کچھ نے تو بدمعاش بھی کہہ دیا۔ "مسٹر مرابو" نے اپنی تقریر بند کر کے غضب ناک اور مشتعل حاضرین سے خطاب کرتے ہوئے کہا۔ "حاضرین میں اس وقت تک انتظار کرتا رہوں گا۔ جب تک آپ کی ان میٹھی میٹھی باتوں اور رس بھرے الفاظ کا ذخیرہ ختم نہیں ہو جاتا۔ جونہی آپ لوگ ان باتوں سے تنگ آ جائیں گے تو میں اپنی تقریر وہیں سے شروع کر دونگا۔ جہاں میں نے روکی ہے"۔

مسز ریپر نے اپنے شوہر سے استفسار کیا۔ "کہ کیا تھوڑی سی تند مزاجی بھی آپ کے خیال میں خطرناک ہوتی ہے"۔ اس کے خاوند نے اس کا جواب نفی میں دیا۔ لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہا۔ کہ "عورت کے لئے لازم ہے۔ کہ ہر حال میں اپنی تند مزاجی پر قابو رکھے"۔

کوئی بھی انسان خطرتاً ایسی اچھی طبیعت کا مالک نہیں ہوتا۔ کہ اسے مناسب دیکھ بھال اور ضبط کی ضرورت نہ ہو۔ نیز کسی انسان کی طبیعت ایسی بری نہیں ہوتی کہ اسے مناسب دیکھ بھال اور موزوں تربیت فائدہ نہ پہنچا سکیں۔

سائنس کے مسٹر فلیچر بڑے تند مزاج ہونے کے علاوہ زود رنج بھی تھے۔ ایک دن ان کے باورچی نے ان سے التماس کی۔ کہ وہ چاہتا ہے۔ کہ کسی اور جگہ جا کر نوکری کی جائے۔ اور آپ کی ملازمت چھوڑ دی جائے۔ مسٹر فلیچر نے اپنے خانساماں کو بڑی نرمی کے ساتھ یہ بات سمجھائی کہ وہ نوکری چھوڑ کر کہیں نہ جائے۔ اس پر باورچی نے جواب دیا۔ جناب والا! میں آپ کے غصے اور تند مزاجی سے عاجز آ چکا ہوں۔ اب میں مزید برداشت نہیں کر سکتا۔ مسٹر فلیچر نے اپنی بری عادت کو تسلیم کرتے ہوئے فرمایا۔ بے شک میں بڑی جلدی ناراض ہو جاتا ہوں۔ تیز مزاج ہوں لیکن یہ تو تم بھی جانتے ہو۔ کہ میرا غصہ بہت ہی قلیل وقت کے لئے ہوتا ہے۔ اس بات کو سن کر باورچی نے بہت ہی دلچسپ اور پیارا سا جواب دیا۔ "آپ کا یہ کہنا تو بالکل درست ہے۔ کہ آپ کا غصہ دم بھر کے لئے ہوتا ہے۔ مگر وہ غصہ ایک بار جا کر پھر فوراً ہی لوٹ آتا ہے"

کسی شخص نے اپنے ایک ملنے والے سے پوچھا کہ "آپ دنگا فساد سے کیونکر محفوظ رہتے ہیں؟" اس کے دوست نے جواب دیا۔ یہ تو کوئی مشکل کام نہیں۔ جو شخص بھی مجھ سے اظہار ناراضگی کرتا ہے۔ یا مجھ پر اپنا

غصہ نکالتا ہے۔ تو میں بالکل خاموشی اختیار کر لیتا ہوں۔ اور اس کو محسوس نہیں ہونے دیتا کہ میں اس کی باتوں کا برا منا رہا ہوں۔ ایسا کرنے سے وہ اپنے آپ سے لڑتا رہتا ہے۔ اور پھر تھک ہار کر چپ ہو جاتا ہے۔

برطانیہ کے وزیر "مسٹر بیکنس فیلڈ" سے اس کے کسی واقف کار نے پوچھا۔ کہ وہ ملکہ عالیہ (تاجدار برطانیہ) کو کن طریقوں سے خوش رکھتے ہیں۔ اس کا جواب انہوں نے یہ دیا۔ کہ جیسا آپ کے علم میں ہے۔ میں نے کبھی کسی بات کی تردید نہیں کی۔ اور بعض اوقات کوشش کرتا ہوں۔ کہ مخالف کو بھول جاؤں۔ یہ طرز عمل اور طریقہ ہم سب کے لئے بڑا مفید ثابت ہو سکتا ہے۔

اب میں آپ کو ایک ایسا واقعہ سناتا ہوں۔ جو ایک مکالمہ کی صورت میں ہے۔ اور ایک امیدوار ممبر اور مدبر شخص کے درمیان ہوا۔ اصل واقعہ یوں ہے۔ کہ ایک سیاسی جماعت میں ایک نیا ممبر داخل ہوا اس پارٹی کے پرانے ممبران نے نئے آنے والے ممبر کو مشورہ دیا۔ کہ وہ فلاں مدبر شخص کے پاس جائے اور اس سے کامیابی حاصل کرنے کے گر سیکھے وہ مدبر شخص اسے وہ راز بھی سمجھا دے گا جن سے اسے سیاسی میدان میں کامیابی حاصل ہو گی۔ نیا ممبر دوستوں کی ہدایت کے مطابق مدبر شخص کے پاس پہنچا۔ اور اپنے آنے کا مطلب بیان کیا۔ اس مدبر نے اس کی باتیں توجہ سے سنیں اور اپنی چند شرائط بھی سنائیں۔ اس کے ساتھ ہی مدبر نے کہا۔ اگر تم میری بتائی ہوئی باتوں کی مخالفت کرو گے تو ہر خلاف ورزی کے بدلے تم مجھے پانچ ڈالر بطور جرمانہ ادا کرو گے۔ نئے ممبر نے اس کی یہ شرط بھی منظور کر لی۔ ان کے درمیان ہونے والا مکالمہ ملاحظہ کریں۔

مدبر کیا میں تمہارا امتحان لے سکتا ہوں؟

ممبر بڑی خوشی سے میں امتحان کے لئے تیار ہوں۔

مدبر تمہارے لئے میرا پہلا سبق یہ ہے۔ کہ جب تم اپنے خلاف کوئی بری بات سنو۔ تو اس کا برا نہیں مناتا۔ اور کسی کو محسوس بھی نہ ہو۔ تم ناراض ہو رہے ہو۔ نیز ہر لمحہ ہوشیار رہو۔

ممبر خوب یہ کرنا تو میرے لئے بہت آسان ہے۔ میں گالیاں سن کر بھی خاموش رہونگا۔ اور کوئی پرواہ نہیں کرونگا

مدبر تم نے پہلا سبق تو جلدی یاد کر لیا۔ مجھے بے حد خوشی ہوئی ہے۔ لیکن سچی بات یہ ہے کہ میں نہیں چاہتا کہ معصوم لوگ تم جیسے مکار اور بدمعاش شخص کو ووٹ دیں۔

ممبر آپ عجیب بات کر رہے ہیں یہ تو سراسر میری توہین ہے۔ آپ کو کس طرح جرأت ہوئی۔

مدبر مہربانی فرما کر حسب شرائط پانچ مجھے ادا کریں۔

ممبر اچھا اب مجھے یاد آیا۔ کیونکہ پہلا پہلا سبق ہی یہی تھا۔ کہ مخالفت نہ کروں۔ اب میں یاد رکھوں گا۔

مدبر ہاں ہاں ٹھیک ہے۔ یہی تو سبق ہے۔ کہ میں اپنی رائے ظاہر کر رہا ہوں۔ میں یہ ضرور کہوں گا۔ تم تو

شیطان ہو۔

ممبر آپ نے تو دوبارہ میری توہین کی ہے۔

مدبر پانچ ڈالر اور رکھ دیں تو مہربانی ہوگی۔

ممبر بہت خوب آپ نے تو بڑی جلدی دس ڈالر کما لئے۔ کوئی بات نہیں میں آئندہ محتاط رہوں گا۔

مدبر بالکل ٹھیک میں نے دس ڈالر کما لئے۔ ذرا مہربانی کر کے آپ دس ڈالر فوراً مجھے دیدیں۔ کیونکہ مجھے معلوم ہے۔ کہ آپ نے آج تک کسی قرض خواہ کو قرضہ ادا نہیں کیا۔ اور اسی لئے تو آپ بدنام ہیں اور لوگوں نے آپ کو نادہند کا برا لقب دے رکھا ہے۔

ممبر یہ سراسر غلط اور جھوٹ ہے۔ آپ شاید خود نادہند ہیں۔

مدبر لوجی میں نے مزید پانچ ڈالر کما لئے وہ بھی رکھ دیں۔

ممبر اب بات میری سمجھ میں آئی ہے۔ میں آئندہ سوچ سمجھ کر بات کروں گا۔

مدبر شکر ہے۔ کہ آپ بہت جلدی سمجھ گئے ہیں۔ میرا خیال بھی یہی ہے۔ کہ آپ کو اب اپنا پہلا سبق یاد ہو جانا چاہئے۔ میں نے آپ کے خلاف جتنی باتیں کی ہیں۔ میں وہ واپس لیتا ہوں۔ آپ تو سچ ایک معزز اور باعزت فرد ہیں۔

ممبر مجھے خوشی ہوئی۔ کہ آپ نے اب کی بار درست اور سچی بات کی ہے۔

مدبر میں تو یہ بات مانتا ہوں۔ کہ آپ ایک معزز انسان ہیں۔ جبکہ آپ کی پیدائش نہایت ہی پنچ اور ذلیل خاندان میں ہوئی آپ کے والد بزرگوار بڑے بدنام شخص تھے۔

ممبر دیکھئے جناب! آپ نے پھر مجھے بھلا برا کہنا شروع کر دیا ہے۔ مجھے تو آپ مکار اور دھوکے باز معلوم ہونے لگے ہیں۔ اگر ایسا نہیں تو آپ بدمعاش ضرور ہیں۔

مدبر ذرا پانچ ڈالر کا ایک اور نوٹ میری طرف کر دیں۔

ممبر اب میں سمجھا آپ واقعی ذہین اور مدبر ہونے کے ساتھ ساتھ کافی سمجھ بوجھ بھی رکھتے ہیں۔ کیونکہ صرف ایک سبق دیکر آپ نے مجھے چار مرتبہ بے وقوف بنایا۔ میں آپ کی ذہانت کی داد دیتا ہوں ممبر کی یہ بات سن کر مدبر نے ممبر سے کہا۔ میری بات غور سے سنو اور یاد رکھو تم جتنا لوگوں کی سخت کلامی کا برا مانو گے۔ یا جتنی بار اظہار ناراضگی کرو گے۔ اتنا ہی اپنے دونوں کا نقصان کرو گے۔ آپ صرف یہ بات ذہن میں رکھیں کہ آپ کے ووٹ آپ کے ڈالروں سے زیادہ قیمتی ہیں۔ ہمیشہ ضبط و تحمل کا دامن تھامے رہئے

آکسفورڈ یونیورسٹی کے ایک طالب علم کے ساتھ مسٹر جان ہینڈرسن کوئی علمی مباحثہ کر رہے تھے کہ طالب علم کو غصہ آگیا۔ اسی جوش میں اس نے شراب کا ایک جام اٹھا کر مدمقابل جان ہینڈرسن کے منہ پر دے

مارا۔ مگر جان ہینڈرسن نے اس کا برا نہ منایا۔ اور بہت زیادہ ضبط و تحمل سے کام لیتے ہوئے رومال سے اپنا چہرہ صاف کر کے مسکرائے اور کہنے لگے۔ کوئی بات نہیں یہ تو جملہ معترضہ تھا مہربانی کر کے آیئے تاکہ ہم اپنی بحث پھر سے شروع کریں۔

ضبط نفس کی ایک نہایت ہی عمدہ اور بے نظیر مثال اس واقعہ سے ملتی ہے۔ کیونکہ ضبط نفس کا اصل مطلب بھی یہی ہے۔ جس کا مظاہرہ "مسٹر رابرٹ انبزورتھ" نے کر دکھایا۔ مسٹر رابرٹ اپنی لغت نویسی میں جواب نہیں رکھتا تھا۔ اور بے پناہ اور غیر معمولی قوت برداشت کا مالک تھا۔ یہ واقعہ اس کی زندگی کا مشہور واقعہ ہے۔ کہ ایک دن کسی بات پر اس کی بیوی کو غصہ آگیا۔ اور اسی غصہ کے جوش میں اس نے ایک ضخیم قلمی لغت جلتی بھڑکتی آگ میں پھینک دی۔ جو فوراً ہی جل کر خاکستر ہو گئی۔ یہ کتاب مسٹر رابرٹ کی گزشتہ کئی سالوں کی محنت کا نتیجہ تھی۔ مگر آفرین ہے رابرٹ پر کہ اس نے اپنی بیوی کو اف تک نہ کہا۔ اور خاموشی کے ساتھ اپنی لکھنے کی میز پر جا بیٹھا۔ اور اپنا کام کرنے لگ گیا۔ ضبط نفس ہو تو ایسا

بزرگوں نے کہا ہے کہ بچوں کو اوائل عمری سے یہ بات ذہن نشین کروانی چاہئے۔ کہ وہ صبر و تحمل اور برداشت کرنے کی عادت اپنائیں۔ انہیں اس بات سے بھی باخبر کر دینا چاہئے کہ بد اخلاقی پراگندہ خیالی تند مزاجی اور بری عادتیں نہ صرف اخلاق کا ستیاناس کر دیتی ہیں۔ بلکہ انسانی عمر کو بھی کم کر دیتی ہیں۔ ضبط نفس کی عادت انسان کو ہر برائی سے بچاتی ہے۔ اور یہی ضبط و تحمل انسان کو کامیابی بھی بخشتی ہے۔ پیغمبر اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے "غصہ ایک دہکتی ہوئی آگ ہے۔ جو اسے ضبط کرتا ہے۔ محفوظ رہتا ہے۔ اور جو اسے برداشت نہیں کرتا۔ اس آگ میں جل کر راکھ ہو جاتا ہے۔"

مسز لونگ اسٹون جو مشہور ڈاکٹر لونگ سٹن کی والدہ تھیں۔ اور مسز بائرن جو مشہور شاعر لورڈ بائرن کی والدہ تھیں۔ ان دونوں خواتین کے ہاتھوں میں قدرت کا اعلیٰ اور عمدہ ترین موتی دیا گیا۔ ان خواتین میں سے پہلی خاتون نے پر سکون مزاج کی وجہ سے اُس کا موتی ہر عیب سے پاک صاف رہا۔ جبکہ دوسری خاتون کی غیر منضبط مزاج کی وجہ سے اس کا موتی صرف ایک یادگار کھنڈر کی حیثیت سے آگے نہ بڑھ سکا۔

یہاں موتیوں سے مراد اولاد ہے۔ پہلی عورت کا بیٹا ڈاکٹر بن کر خدمت خلق کرنے لگا جبکہ دوسری کا بیٹا صرف شاعر بن سکا جس کی کوئی خاص قدر و منزلت نہیں ہوتی۔

کہا جاتا ہے کہ ابراہام لنکن (جو بعد میں امریکی صدر بنا) کی بیوی سخت جھگڑالو عورت تھی۔ یہ صرف لنکن ہی تھا۔ جو اپنے ضبط نفس کی خوبی کی وجہ سے ایسی عورت کے ساتھ گزر بسر کر رہا تھا۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے۔ کہ اس کی بیوی نے گرم مشروب (چائے یا کافی) لیکر آئیں اور کمرے میں داخل ہوتے ہی

اس نے وہ گرم مشروب لنکن کے چہرے پر ڈال دیا۔ حالانکہ لنکن کے چند دوست بھی اس کے ساتھ کمرے میں بیٹھے تھے۔ اس گرم مشروب کی وجہ سے وہ بری طرح جھلس گئے۔ مگر برداشت کر گئے۔ اور بیوی کو ایک لفظ بھی ملامت کا نہ کہا۔

مدرائیٹ ہوم کا مشہور مصنف لکھتا ہے۔ کہ دنیا میں کوئی ماں بھی ایسی نہیں ہے۔ جو اپنے بیٹے پر حکومت کرنے کی امید رکھتی ہو۔ حتیٰ کہ وہ خود اپنے نفس پر بھی قادر نہیں بے شک گھر کی حکومت کو گھر ہی سے شروع کرنا چاہئے۔ اور لازمی طور پر اسے ماں کی گود سے شروع کیا جانا چاہئے۔ سب سے پہلے ماں کا فرض ہے۔ کہ وہ اپنے آپ کو قابو میں رکھنا سیکھے پھر اپنے جذبات کو کنٹرول میں رکھنے کی عادت ڈالے۔ اگر وہ ایسا کرنے میں ناکام رہتی ہے۔ تو پھر اسے یہ سمجھ لینا چاہئے۔ کہ وہ جتنی بھی کوشش کرے گی بچوں کے جذبات کو زیر نہ کر سکے گی۔ اس مقصد کے لئے کی جانے والی اس کی ساری محنت و مشقت ضائع جائے گی۔

ایسا شخص جو اپنے نفس کو اپنی مرضی کے مطابق چلاتا ہے۔ یعنی جذبات کو دبا لیتا ہے۔ خواہشات کو تج کر دیتا ہے۔ خطرات سے گھبراتا نہیں۔ وہ ایک بادشاہ سے بڑھ کر ہے جس کو ضبط نفس کی عادت نہیں۔ وہ زندگی میں کچھ کامیاب نہیں ہو سکتا۔ اس بات سے کسی کو انکار نہیں کہ آپ بہت زیادہ تعلیم یافتہ ہیں۔ صحت مند ہیں۔ لیکن اگر آپ اپنے آپ کو یعنی اپنے نفس کو کنٹرول نہیں کر سکتے۔ تو کامیابی کی امید رکھنا محض خود فریبی اور خوش خیالی ہے۔ اسی لئے تو ایف اے شا لکھتا ہے کہ۔

دوسروں کو خونی جنگوں کا حال قلم بند کرنے دو۔ جس میں فاتح کو عزت اور مغلوب کو ذلت حاصل ہوتی ہے۔ لیکن میں تو صرف اس انسان کا حال تحریر کروں گا۔ جو اپنے گناہوں کے خلاف جنگ کر کے ان پر قابو پا لیتا ہے۔ یہ جنگ اپنے نفس کے خلاف سالہا سال لڑنی پڑتی ہے۔ تب کہیں جا کر فتح کی شکل دیکھنا نصیب ہوتی ہے۔ یہ ایک سپاہی پڑا ہے۔ (قبر کی طرف اشارہ) یہ اندرون ملک اور بیرون ملک بے شمار لڑائیوں میں شامل رہا۔ اور کامیابیاں بھی حاصل کیں لیکن سب سے بڑی لڑائی اس نے اپنے نفس کے خلاف لڑی۔ جس میں گناہوں کی فوج شامل تھی۔ اس نے بڑے صبر و تحمل سے ان کا مقابلہ کیا۔ اور آخر غالب آگیا۔

جو انسان اپنے نفس پر قابو پا لیتا ہے۔ وہی بہادر کہلاتا ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ اس کا نام ہمیشہ یاد رکھا جائے۔ ہو سکتا ہے۔ اس کے ساتھی اور رشتہ دار اسے بھول جائیں۔ لیکن احتیاط اور آنسوؤں کا جو تخم اس نے بو دیا ہے۔ اس سے نامعلوم زمانے تک سدا بہار پھول اور پھل پیدا ہوتے رہیں۔ میں سمجھتا ہوں۔ کہ اس کا نام روشن رکھنے کا فریضہ یہی پھل پھول ادا کریں گے یہ بھی ایک حقیقت ہے۔ کہ زندگی کے سفر میں ضبط نفس کا بہت بڑا حصہ ہے۔

مکتب حیات

موضوع پر روشنی ڈالنے سے پہلے چند صاحبان علم و حکمت کے اقوال پیش کرتا ہوں۔

1- ہم در حقیقت جو کچھ بھی سیکھتے اور حاصل کرتے ہیں۔ وہ مکتب حیات سے ملتا ہے۔ درسگاہیں اور کتب ہمیں کچھ نہیں سکھاتی ہیں۔ (سینیکا)

2- میرا خیال ہے۔ کہ جو علم یا تعلیم ہم اپنے سے زیادہ علم والوں سے گفتگو کر کے حاصل کرتے ہیں۔ وہ دنیا کی تعلیم سے بدرجہا بہتر ہے۔ اور علم والوں سے کچھ حاصل کرتے وقت ہمارے اندر کسی مخصوص قسم کا احساس بھی نہیں ہوتا۔ (بلور)

3- گو تجربات کے مکتب میں اخراجات کرنے پڑتے ہیں۔ مگر جو بے عقل کسی اور جگہ سے کچھ حاصل نہیں کرتے وہ اس تجربات کے مکتب میں بھی کورے کے کورے ہی رہتے ہیں۔ کیونکہ ہم لوگ دوسروں کو صرف نصیحت کرتے ہیں۔ کردار نہیں دے سکتے۔ لیکن جو اشخاص مشوروں سے بھی نصیحت حاصل نہیں کرتے۔ ان کے لئے اور کیا کیا جا سکتا ہے۔ اگر کوئی انسان عقل کی بات دل لگا کر اور ہوش سے نہیں سنتا۔ وہ زندگی میں ٹھوکریں ہی کھائے گا۔ (فرینکلن)

4- مشکلات حقیقت میں ہماری محسن ہیں۔ ان سے ہماری کمزوریوں ہمارے مقاصد ہماری کوتاہیوں کا ہمیں علم ہوتا ہے۔ مشکلات ہی ہمیں مجبور کرتی ہیں۔ کہ ہم اپنے ہر مقصد، ہر رشتے، اور ہر تعلق کی روشنی میں ان پر غور کریں۔ یہی مشکلات ہمارے اندر حوصلہ جرأت اور استقلال پیدا کرتی ہیں۔ (ایڈمنڈ برک)

5- قدرت کو بے کاری اور آرام طلبی سے نفرت ہے۔ چاہے بے کاری اور تساہل پسندی مالدار میں ہو یا غریب میں۔

6- اخبارات عوام کے لئے معلمین کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اور ان کے لئے خزانوں سے بھی بڑھ کر ہیں، ہر روزنامہ تجدید عہد کا ایک معجزہ ہوتا ہے۔ جو کروڑوں افراد کو مختلف علوم کی روشنی عطا کرتے ہیں۔ (تیچر)

7- محنتی آدمی کا ہاتھ حکمران ہو گا اور سست آدمی ہمیشہ باجگزار رہے گا۔ (حضرت سلیمان علیہ السلام)

8- تم محنت اس لئے کرتے ہو۔ کہ کاروان حیات کے ساتھ ساتھ چل سکو۔ اس لئے کاہل رہنا قافلہ حیات سے بچھڑ جانے کے مترادف ہے۔ جب تم محنت کرتے ہو تو گویا ایک بانسری بن جاتے ہو۔

جس کے سینے سے پھوٹنے والی لازوال موسیقی کی ایک تان حیات انسانی پر چھا جاتی ہے۔ (خلیل جبران)

9- جب تم محنت کرتے ہو۔ تو تم کائنات کے اس اعلیٰ مقصد کو پورا کرتے ہو۔ جس کے لئے تمہارا انتخاب اسی دن کر لیا گیا تھا۔ جس دن وہ عظیم مقصد تخلیق ہوا تھا۔ (خلیل جبران)

ایک شخص جوتے بنانے کا کام کرتا تھا۔ اس کا نام سیموئیل ڈریو تھا۔ ایک دن وہ کسی سیاسی بحث مباحثے میں مشغول رہنے کی وجہ سے اپنا کام مکمل نہ کر سکا۔ اس نے سوچا۔ کہ رات بھر جاگ کر آج کا کام مکمل کروں گا۔ لہٰذا جب شام ہوئی۔ تو اپنا کام لیکر بیٹھ گیا۔ اور تمام رات کام کرتا رہا۔ اس کے پڑوس میں رہنے والے ایک لڑکے نے اس کے دروازے کی درازوں میں سے جب اُسے کام کرتے دیکھا۔ تو زور زور سے پکار کر کہا۔

موچی او موچی دن بھر تو بحث مباحثے میں الجھا رہا ہے۔ اور رات کو کام کر رہا ہے ڈریو نے اس واقعے کا ذکر اپنے ایک دوست سے کیا۔ اس نے اسے کہا کہ "تو نے لڑکے کو پکڑ کر اسے ڈانٹا یا دھمکایا کیوں نہیں" ڈریو موچی نے جواب میں کہا۔ "نہیں نہیں اگر وہ لڑکا میرے کان کے پاس پستول رکھ کر فائر کر دیتا۔ تو بھی مجھے اتنی شرمندگی اور پشیمانی نہ ہوتی۔ جتنی پشیمانی مجھے اس کی اس بات سے ہوئی ہے" "میں نے اس وقت کام سے ہاتھ تو کھینچ لیا۔ مگر آئندہ کے لئے دل میں یہ عہد کر لیا۔ کہ اب آئندہ میں اس بچے کو ایسی بات کہنے کا موقع نہیں دونگا۔ کیونکہ میرے لئے اس کی آواز خدا کی آواز بن گئی تھی۔ اور یہی آواز زندگی بھر میری رہنمائی کرتی رہی۔ میں نے اس بات سے یہ سبق سیکھا ہے کہ "آج کا کام کل پر کبھی بھی نہ چھوڑوں گا۔ اور ہمیشہ کام کے وقت فضول باتوں سے پرہیز کروں گا۔ اور کوتاہی سے بچتا رہوں گا۔" وہ دن اور آج کا دن ڈریو نے وقت کو ضائع کرنے کی عادت چھوڑ دی اور ایک کاروباری انسان کی طرح خود مختیار آدمی بن گیا۔ یہی ڈریو موچی آئندہ آنے والے دنوں میں ایک عظیم المرتبت عالم اور بلند پایہ مصنف کی حیثیت سے پہچانا جانے لگا۔

شمالی امریکہ اور جنوبی امریکہ۔ ایک دوسرے سے ملے ہوئے دو ممالک ہیں۔ مگر ان کے لوگوں کی عادات و اطوار میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ شمالی امریکہ کے رہنے والے لوگ اپنی دانش و حکمت کے علاوہ اپنی ہمت و استقلال کی وجہ سے دنیا بھر میں مشہور ہیں۔ جبکہ جنوبی امریکہ میں آباد لوگ جاہل، کاہل، کام چور اور پست ہمت ہیں۔

جب ہم امریکہ کے مشہور لوگوں سے متعلق تاریخ کی ورق گردانی کرتے ہیں تو ہمیں پتہ چلتا ہے۔ کہ امریکہ کس قدر قابل ترین افراد سے بھرا ہوا ملک ہے۔ ایک مصنف نے ان لوگوں سے متعلق ایک چھوٹی سے کتاب لکھی ہے۔ جس میں ایک سو اکانوے مشہور عورتوں اور مردوں کا حال رقم کیا گیا

ہے۔ جنہوں نے زندگی ہر شعبہ میں اپنا نام زندہ رکھا۔ ان میں شاعر نثر نگار، موسیقار، مصور، آرٹسٹ، موجد اور عالم غرض سبھی قسم کے لوگ شامل ہیں۔ اور ان میں زیادہ تر لوگ وہ ہیں جن کا تعلق میساچوسٹس کی اسکس کالونی سے ہے یہ لوگ یہیں پیدا ہوئے اور یہیں اپنے اپنے علوم میں مہارت حاصل کی۔

"اری گو" ایک معمولی جلد ساز تھا۔ ایک دن وہ ریاضی کی ایک کتاب کی جلد بنا رہا تھا۔ کہ اس میں پڑا ہوا ایک ردی کاغذ دیکھا۔ جب اس نے اس کاغذ کی تحریر پر غور کیا۔ تو اس پر لکھا۔ دیکھا بڑھتے چلو، چلتے رہو۔ راہ میں حائل ہونے والی مشکلات سے مت ڈرو۔ تم جوں جوں قدم آگے بڑھاؤ گے۔ وہ مشکلات خود بخود آسان ہوتی چلی جائیں گی۔ بڑھتے چلو اندھیری راہیں اپنے آپ روشنی سے جگمگا اٹھیں گی اس کو یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ یہ ایک خط کی نقل تھی جو "ولیم ہرٹ" نے اپنے کسی دوست کو لکھا تھا۔ ارگو کا کہنا ہے۔ کہ اس خط نے اس پر ایک جادو سا کر دیا۔ اس نے اس خط کو اپنی زندگی کا رہنما بنا لیا۔

آپ کو شاید علم نہ ہو کہ یہ وہی ارگو جلد ساز تھا۔ جو اپنے زمانے کا مشہور "شاہد النجوم" بن گیا۔ اس کا ارشاد ہے۔ کہ علم ریاضی میں وہی خط میرا استاد ہے اور میں نے جو کچھ پایا ہے۔ اور جو کچھ ہوں۔ میں نے اسی خط سے حاصل کیا ہے۔

کیا آپ کو علم ہے کہ شاہکار اور لافانی کتب کن کو کہا جاتا ہے۔ میں آپ کو بتاتا ہوں یہ سمندر، پہاڑ، دریا، جنگلات، ریگستان، سبزہ زار، شہر اور ویرانے یہ سب مشہور کتب کہلاتی ہیں زمین کے سینہ پر ایستادہ یہ پہاڑ ایسے ہیں جو دنیا کی کسی بھی قدیم ترین کتاب سے بھی قدیم اور زیادہ فصیح و بلیغ ہیں۔ کیونکہ ان میں ایرانیوں، یونانیوں، ہندوؤں اور منگولوں کے افکار سے زیادہ گہرے اور ارفع مقاصد کے حامل راز پوشیدہ ہیں جو ان کو اپنی چشم بصیرت اور گوش معرفت سے پڑھتا اور دیکھتا ہے۔ اس کے لئے ان میں علم و عرفان اور معرفت کے خزانے چھپے ہیں۔ یہ بلند و بالا پہاڑ قدرت کے انمول رازوں کے امین ہیں۔

یہی حال سمندر کا ہے۔ یہ بھی ایک غیر فانی کتاب ہے۔ لیکن اس کو پڑھنے کی قدرت ہر شخص کو حاصل نہیں۔ پتہ نہیں چلتا کہ وہ عالم و فاضل لوگ کہاں چلے گئے ہیں۔ جو ان الفاظ کا مطلب و مفہوم سمجھ سکیں۔ جو اس کے پانیوں پر تحریر ہیں۔ ہومر ملٹن اور شیکسپیئر جیسے مشہور ڈرامہ نگاروں کے تمام شاہکار بھی ان کے مقابلے میں کوئی درجہ نہیں رکھتے۔

یہی حال شہروں کا ہے۔ وہ بھی پہاڑوں، سمندروں کی طرح زندہ و جاوید کتاب ہیں۔ البتہ اس زمرے میں وہ شہر آتے ہیں۔ جو انسانوں سے بھرے ہوئے ہوں۔ ان شہروں کے اندر ایسے بے شمار اور لا تعداد طربیے اور المیے بھرے ہوئے ہیں۔ ان کی ہواؤں میں ایسی ایسی نظموں کی صدا گونج رہی ہے۔ جو ضبط تحریر میں نہیں لائی جا سکتی۔ ہاں ایسا شخص جو اس کتاب کو پڑھ لینے کے بعد اس کے رازوں کو حاصل کر لیتا ہے۔ وہ کہکشاں کی حدود کو عبور کر سکتا ہے۔ اور اس کی آخری حد یعنی تحت الثریٰ تک بھی پہنچ سکتا

ہے۔ ایسے ہی شخص کی روح خدائے علیم و بصیر، قادر و قدیم کے رازوں کو پالیتی ہے۔ اسی کی آنکھیں اس اسرار کو دیکھ سکتی ہیں۔ مجھے بھی ایسی ہی انمول کتب کی ضرورت ہے۔ تاکہ میں ان کا مطالعہ کر کے ان علوم سے آگہی حاصل کر سکوں، جو ان میں تحریر کئے گئے ہیں۔

شباب سے بڑھاپے تک زندگی کا دور نہایت ہی مختصر اور قلیل ہے۔ اگر اس کتاب کا ایک ورق بھی میں پڑھ لوں۔ تو مجھے اس زندگی کے مختصر اور تیز رفتار ہونے کا قطعاً احساس نہیں رہے گا۔

مکتب حیات میں سکھائے اور پڑھائے جانے والے تمام اسباق نہ صرف مشکل ہیں بلکہ جلد سمجھ میں بھی نہیں آتے لیکن جو انسان ان کو سیکھ کر ان پر عمل پیرا ہو جاتا ہے۔ وہ اپنی زندگی میں کبھی ناکام و نامراد نہیں رہتا۔ فطرت کے ان اسباق میں ایک سبق محنت ہے۔ محنت انسان کی سب سے زیادہ رہنمائی کرتی ہے۔ اسی محنت کی بدولت انسان زندگی کے ایسے اسرار و رموز سے شناسائی حاصل کرتا ہے۔ جو اسے زندگی کے ہر مشکل سے مشکل موڑ کو آسانی کے ساتھ عبور کر لینے کی صلاحیت مہیا کرتے ہیں۔ یہی محنت ہمیں فطرت کے اس مدرسہ میں پہنچاتی ہے۔ جہاں ہمیں زندگی اور اس کے اصل حقائق سے واسطہ پڑتا ہے۔ اور اسی مدرسہ میں ہمارے کردار کی تعمیر ہوتی ہے۔ عزم و حوصلہ کا سبق ملتا ہے دینا والے جانتے ہیں۔ کہ محنت کے بغیر کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا۔ محنت کرنے والوں کے بارے اللہ تعالیٰ کے ایک پیغمبر حضرت سلیمان علیہ السلام کا فرمان مبارک ہے۔ "محنتی آدمی کا ہاتھ حکمران ہوگا۔" اور سست آدمی ہمیشہ باجگزار رہے گا۔ اللہ تعالیٰ کے آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث کا ترجمہ ہے۔ "محنت کرنے والا خدا کا دوست ہے۔"

اسی محنت کی عظمت اور تقدس بیان کرتے ہوئے مشہور لبنانی ادیب خلیل جبران نے نہایت پر مغز اور معنی خیز خوبصورت وفلفہ دیا جس کی نظیر پورے عالمی ادب میں کہیں بھی نہیں ملتی۔ خلیل جبران نے اپنی مشہور زمانہ تصنیف "THE PROPHET" میں محنت کے بارے ان الفاظ میں لکھا ہے۔

تم محنت اس لئے کرتے ہو۔ کہ کاروان حیات کے ساتھ قدم بہ قدم چل سکو۔ اس لئے کہ کاہل رہنما قافلہ حیات سے بچھڑ جانے کے مترادف ہے۔ جب تم محنت کرتے ہو۔ تو گویا ایک بانسری بن جاتے ہو۔ جس کے سینے سے پھوٹنے والی لازوال موسیقی کی ایک لے حیات انسانی پر چھا جاتی ہے۔ "جب تم محنت کرتے ہو۔ تو تم کائنات کے اس اعلیٰ مقصد کو پورا کرتے ہو۔ جس کے لئے تم اسی دن نامزد کر دیئے گئے تھے۔ جس روز وہ مقصد عظیم تخلیق ہوا تھا۔"

"محنت کا دامن تھام کر تم گویا زندگی کا دامن تھام لیتے ہو۔ اور جب تم محنت کے ذریعے زندگی کو محبوب بناتے ہو۔ تو گویا زندگی کے عزیز ترین رازوں سے واقف ہو جاتے ہو۔ محنت درحقیقت محبت کا ایک مظہر عظیم ہے۔ نظر آنے والی شکل میں۔ محبت جسم ہے اور محنت اس کی روح ہے اگر تم محبت سے

ساتھ محنت نہیں کر سکتے۔ تو یہ تمہارے لئے فائدہ مند ہے۔ کہ کسی عبادت گاہ کی چوکھٹ پر جا کر بیٹھ جاؤ۔ اور ان محنت کشوں سے بھیک مانگ لیا کرو۔ جو خوشی خوشی اپنے کھیتوں اور کام کاج سے واپس لوٹتے وقت اس لئے یہاں آتے ہیں کہ اپنے دیوتاؤں، خداؤں، او تاروں کی زیارت کر سکیں"۔

ہم پر لازم ہے۔ کہ اپنے بچوں کو ایسی تعلیم دلوائیں۔ کہ وہ ہر جگہ حسن و خوبصورتی کو تلاش کر سکیں۔ اور قدرت کی نیرنگیوں میں اس کی مخلوقات کی طویل نظم کا مطالعہ بھی کر سکیں۔ کیونکہ قدرت کے رازوں سے کائنات کا سینہ بھرا پڑا ہے۔ اس کے سینے میں علم و حکمت کے بیش قیمت راز چھپے ہیں۔ صرف ان پر غور و فکر کی ضرورت ہے۔

قدرت تو انسان کو طرح طرح سے ترغیب دیتی ہے کہ انسان اس کے قوانین کے مطابق زندگی گزاریں۔ کیونکہ مسرت و شادمانی کی دولت انہی قوانین پر عمل پیرا ہونے سے حاصل ہو سکتی ہے۔ انسانوں کی صحت و تندرستی کا راز بھی انہی قوانین فطرت کی پابندی کرنے میں نہاں ہے۔ جب کوئی شخص ان قوانین کے خلاف چلنا شروع کرتا ہے۔ تو اس کا جسم اور روح بیمار اور مردہ ہو جاتے ہیں۔ قدرت خداوندی ہمیں صحت و تندرستی اس لئے عطا کرتی ہے۔ کہ ہم ان نعمتوں کے حصول کے لئے جدوجہد کر سکیں۔ جو قدرت نے ہمارے لئے بنا رکھی ہیں۔ اہل علم کہتے ہیں۔ کہ قدرت ایک ماں ہے جو بہت مہربان ہے۔ ہم سے بے پناہ پیار کرتی ہے ہم پر لازم ہے۔ کہ اس کے جملہ احکام و ہدایات کی پابندی کرنے میں کسی بھی صورت لیت و لعل سے کام نہ لیں۔ وگرنہ --------

---

جرأت

چند انمول باتیں جو ماہرین علم و ادب کی پوری زندگی کا نچوڑ ہیں۔

الف۔ جو باتیں انسان کے شایان شان ہیں۔ میں ان سب کو انجام دینے کی ہمت رکھتا ہوں۔ اگر کوئی اس سے زیادہ کی ہمت و حوصلہ رکھنے والا ہے۔ تو وہ انسان نہیں کوئی اور ہی مخلوق ہے۔ (شیکسپیئر)

ب۔ جو لوگ جرأت مند ہوتے ہیں۔ وہی شہرت اور عزت کے علاوہ ناموری حاصل کرتے ہیں (شیکسپیئر)

ج۔ کامیابی ہمیشہ جرأت سے حاصل ہوتی ہے۔ (ہیکنس فیلڈ)

د- جس میں جرأت نہیں- اس میں کچھ بھی نہیں- (گوئٹے)

ر- کچھ باتوں سے مجھے خوف آتا ہے- جیسے میں گھٹیا اور ذلیل کاموں سے خوف محسوس کرتا ہوں- (جیمس گارفیلڈ)

س- جرأت مند ضرور بنو، مگر حد اعتدال میں رہ کر (لونگ فیلو)

شاہ چارلس دوازدہم (بارھواں) جب میدان جنگ میں ایک محاصرے میں گھیرا جاچکا تھا- اس نے اپنے سکریٹری کو خط لکھوانے کے لئے طلب کیا- سکریٹری کے آجانے پر خط یوں لکھوانا شروع کیا- "اس مکان پر بم کا گولا آن گرا- چھت پھٹ گئی- اور بم بادشاہ کے کمرے میں گر کر پھٹ گیا" خط لکھنے والے سکریٹری پر خوف طاری ہوگیا اور وہ کپکپانے لگا- اسی حالت میں قلم اس کے ہاتھ سے گر گیا- لیکن اس موقع پر چارلس نہایت پر سکون تھا- جیسے کچھ ہوا ہی نہیں- اس نے اپنے سکریٹری سے پوچھا- "کیا ہوگیا ہے- تم اتنے کیوں ڈرے ہوئے ہو سکریٹری نے آہستہ سے جواب دیا- بادشاہ سلامت یہ بم اس بات کا سنتا تھا- کہ چارلس ہنس دیا- اور بولا "واہ بھئی بم کا خط کے مضمون سے کیا واسطہ؟ چلو لکھنا شروع کرو"

ڈیوک آف ولنگٹن کے اے ڈی سی جس کا نام کیپٹن "ڈی ایل" تھا نے یہ سن کر کہ نپولین بوناپارٹ راہ فرار اختیار کر کے پیرس جا پہنچا ہے- اپنے معالج خاص کو بلوا کر پوچھا "میں کتنے دن مزید زندہ رہ سکتا ہوں-" اس کے معالج نے جواب دیا- "بے شک آپ کو مرض تپ دق لاحق ہے- اور آپ اس موذی مرض کا زبردست شکار بن چکے ہیں- مگر مجھے امید ہے- کہ اگر آپ محتاط رہیں اور پرہیز کرتے رہیں تو کافی لمبا عرصہ زندہ رہ سکتے ہیں"-

کیپٹن ڈی ایل یہ سن کر خوش ہوا اور کہنے لگا "اچھا میں لمبے عرصہ تک زندہ رہ سکتا ہوں- پھر تو میرے لئے بہتر یہی ہے- کہ بستر پر پڑے رہنے کی بجائے میدان جنگ میں جا کر لڑوں"- ڈاکٹروں نے اُسے بہت منع کیا- مگر وہ اپنی رجمنٹ میں حاضر ہوگیا- اور "واٹرلو" کی مشہور لڑائی میں بڑی جوانمردی سے لڑتا رہا- اسی لڑائی میں اسے ایک ایسا زخم لگا- کہ جس کی وجہ سے اس کے دونوں پھیپھڑے بالکل تندرست ہوگئے بیان کیا جاتا ہے- کہ کیپٹن ڈی ایل اس کے بعد کافی عرصہ تک زندہ رہا-

پرشیا (فارس) کے ایک مشہور جرنیل "زیدلیس" نے اپنی جرأت کی وجہ سے ترقی کی منازل طے کی تھیں- اس کی جرأت اور جوانمردی کے پیش نظر شاہ فریڈرک نے جرنل کے عہدہ پر ترقی دیدی کہتے ہیں- کہ ایک دفعہ وہ جرنیل بادشاہ کے ہمراہ دشمن کی فوج کی نقل و حرکت دیکھنے کے لئے جارہے تھے جونہی انہوں نے ایک پل عبور کیا- بادشاہ کو اچانک کچھ سوجھا- اس نے جرنیل سے پوچھا "اگر پل کے دونوں سروں پر دشمن کا قبضہ ہو جاتا- تو تم کیا کرتے" جرنیل نے فوراً جواب دیا- "میں اس طرح" یہ کہہ کر اس نے اپنا گھوڑا دریا کی جانب موڑا اور گھوڑے سمیت دریا میں کود گیا- پلک جھپکتے ہی وہ صحیح سلامت

دریا کے دوسرے کنارے پر جا پہنچا- اس کی یہ جرأت اور حاضر دماغی دیکھ کر بادشاہ بہت مسرور ہوا- اور اسی وقت اسے میجر کے خطاب سے نوازتے ہوئے پکارا اور سلام پیش کیا-

بہت سے تاریخی واقعات ایسے ہو گزرے ہیں- کہ جن میں عورتوں نے مردوں کو بہادری کے جوہر دکھانے پر آمادہ کیا- اور کام کی تکمیل ہونے پر سب سے پہلے انہیں عورتوں نے ان کے گلے میں پھولوں کے ہار ڈالے "سپارٹن" لڑکے نے اپنی ماں سے عرض کیا کہ "ماں میری تلوار بہت چھوٹی ہے" ماں نے لڑکے کو جواب دیا "کیا ہوا اگر تلوار چھوٹی ہے- تو تم قدم آگے بڑھا کر حملہ کرو" ایسے ہی ایک اور سپارٹن ماں نے اپنے بیٹے سے کہا" بیٹے! تم اس وقت میدان جنگ میں جارہے ہو- میری نصیحت یاد رکھنا- اگر تم زندہ واپس لوٹو- تو یہ ڈھال تمہارے ہاتھ میں ہی ہونی چاہئے بصورت دیگر مجھے اپنی شکل نہ دکھانا"-

ایسی ہی کسی مشہور جنگ میں ایک عورت نے دوسری عورت سے کہا میں کسی بزدل اور ڈرپوک کمانڈر کی زوجیت میں جانے کی بجائے کسی بہادر اور شہید کی بیوہ بننے میں زیادہ فخر سمجھتی ہوں-

جس شخص نے سیفٹی لیمپ ایجاد کیا تھا اس کا نام جارج سٹیونسن تھا- وہ اپنی ایجاد کا عملی تجربہ کرنا چاہتا تھا- اور یہ کام بہت خطرناک تھا- اس نے خود جرأت سے کام لیتے ہوئے ایک کان میں داخل ہونا شروع کیا- اس کا یہ عمل دیکھ کر اس کے دوست بہت حیران ہوئے مگر جارج سٹیونسن نے کان میں اتر کر دریافت کیا- کہ سب سے خطرناک راستہ کونسا ہے

اسے اس راستہ کا پتہ بتایا گیا- جو سب سے خطرناک تھا- اور کوئلے کی گیس سے بھرا ہوا تھا- وہ اکیلا اپنے تیار کردہ لیمپ کے امتحان کے لئے اُدھر چل پڑا- اس کے تمام ساتھی انگشت بدنداں ہو کر واپس محفوظ مقام کی طرف لوٹ آئے- مگر سٹیونسن آگے ہی آگے قدم بڑھاتا چلا گیا- اس کے دل میں ایک بار بھی خوف کا احساس پیدا نہ ہوا- کیونکہ جو لوگ جرأت مند ہوتے ہیں- نہ تو وہ موت سے ڈرتے ہیں- اور نہ دوسروں کا سہارا لیتے ہیں- اس کے دوستوں کو اس بات کا پورا پورا یقین تھا- کہ سٹیونسن کا ہر قدم موت کی طرف بڑھ رہا ہے- لیکن خود اسے کسی بات کا خوف نہ تھا- اور نہ ہی لیمپ کو پکڑنے میں اس کے ہاتھ کپکپائے- بالآخر وہ ایسی جگہ پہنچ گیا- جو خطرات کا گڑھ تھی- اس جگہ بھک سے اڑ جانے والی گیس جمع تھی اور خطرہ تھا- کہ کسی لمحہ بھی دھماکہ ہو سکتا ہے- جارج سٹیونسن نے کمال جرأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے لیمپ اس طرف کر دیا- اور بڑی بے صبری کے ساتھ نتیجہ کا انتظار کرنے لگا- اس نے دیکھا- کہ لیمپ کا شعلہ ایک دم بھڑکا اور پھر بجھ گیا اس نے محسوس کیا اس پر اس گیس آلود زہریلی ہوا کا اور کوئی اثر نہ ہوا اس کا تجربہ کامیاب ہو چکا تھا- اور اس نے جو لیمپ ایجاد کیا تھا- وہ کوئلے کی کانوں میں بلا خوف و خطر استعمال کیا جا سکتا تھا-

ہم یہ بات بڑی خوشی سے کہہ سکتے ہیں۔ کہ اس شخص نے ہزاروں جانوں کے تحفظ کا بندوبست کردیا ہے۔ اور اس کا تیار کردہ لیمپ عملی طور پر کان کنوں کی جان کی حفاظت کرنے والا اپنی قسم کا پہلا لیمپ تھا۔

اب جو واقعہ میں آپ کو سنا رہا ہوں یہ سکاٹ لینڈ میں ظہور پذیر ہوا تھا۔ واقعہ یوں ہے کہ اسکاٹ لینڈ کی دو عورتوں نے پرانا طریقہ عبادت چھوڑ کر جدید طریقہ عبادت قبول کرنے سے اپنی معذوری ظاہر کردی۔ انہیں بہت سمجھایا گیا۔ یہی نہیں ڈرایا دھمکایا بھی گیا۔ مگر ان دونوں پر کوئی اثر نہ ہوا۔ آخر کار فیصلہ یہ کیا گیا۔ کہ ان دونوں کو پانی میں غرق کردیا جائے چنانچہ انہیں ایک ایسی جگہ کھمبے گاڑ کر باندھ دیا گیا۔ جہاں مدو جزر کے وقت پانی بہت زیادہ آجاتا تھا۔ ان میں سے زیادہ عمر والی عورت کو اس جگہ باندھا گیا تھا۔ جہاں پانی زیادہ چڑھتا تھا وجہ اس کی یہ بیان کی جاتی تھی۔ کہ بوڑھی عورت کا انجام دیکھ کر نوجوان عورت شاید اپنا عقیدہ بدل لے اور یہ منظر بہت ہی خوفناک اور دلخراش تھا۔ مگر دونوں عورتیں بڑی پامردی اور ثابت قدمی سے اس سزا کو برداشت کررہی تھیں۔ جب جزر کے قوت پانی چڑھنا شروع ہوا۔ تو بڑی عمر والی عورت پانی میں غرق ہونا شروع ہوگئی۔ یہاں تک کہ پانی اس کے لبوں کو چھونے لگا۔ دیکھنے والوں کا بیان تھا کہ اس وقت بھی عورت کے ہونٹوں خدائے واحدہ لاشریک کا نام نکل رہا تھا۔ آخر وہ عورت پانی میں ڈوب کر اپنے خدائے لاشریک کے دربار میں جا پہنچی۔

اب دوسری نوجوان عورت کا قصہ سنیں۔ جب پانی اس کے حلق تک پہنچ گیا۔ تو اس نے بھی اپنے رب تعالیٰ کی حمد و ثنا شروع کردی۔ جب لوگوں نے اس کو اس حال میں دیکھا۔ تو اسے گہرے پانی سے نکال کر کم گہرے پانی میں اس لئے لے گئے۔ کہ شاید وہ اپنی موت کو نظروں کے سامنے دیکھ کر اپنا عقیدہ بدل دے گی۔ مگر اس عورت کی جرأت دیکھئے کہ وہ بار بار نئے اور جدید طریقہ عبادت سے انکاری کرتی رہی۔ جب وہ قریب المرگ تھی۔ تو اس کی زبان سے نکلنے والے الفاظ جو موقع پر موجود لوگوں نے سنے یہ تھے "اے رب ذوالجلال! میں اپنی روح تیرے حضور بطور نذرانہ پیش کرتی ہوں۔"

جرأت ایسی چیز ہے۔ کہ اس کی ضرورت زندگی کے ہر شعبہ میں ہوتی ہے ہونا یہ چاہئے۔ کہ انسان میں دیانت داری کی جرأت کا فقدان نہ ہونے پائے۔ چاپلوسی اور خوشامد کا مقابلہ کرنے کی جرات ہونی چاہئے۔ سچی بات سننے اور سچی بات کہنے کی جرأت ہونی چاہئے۔ اور سب سے بڑھ کر اپنے آپ کو اصلی روپ میں ظاہر کرنے کی ہمت ہونی چاہئے۔ اسی لئے تو ایک مشہور امریکی شاعر مسٹر لونگ فیلو نے کہا تھا۔
"جرأت مند بنو، مگر اعتدال میں رہو"

زندگی کی راہ پر تیز چلیئے

انگریز قوم کے پر عظمت دور کے مدبروں میں "لارڈ چیسٹر فیلڈ" کا نام بڑی عزت سے لیا جاتا ہے۔ ان کا مقام مرتبہ تمام انگریز مدبروں سے نمایاں اور منفرد حیثیت کا حامل ہے۔ اس کی جو وجہ مشہور مفکروں نے بیان کی ہے۔ وہ کچھ اس طرح ہے۔

"یہ شخص زندگی کے محض یعنی لاحاصل کا مطالعہ کبھی نہ کرتا تھا۔ بلکہ اس وقت کے حالات اور ان انسانوں کے حالات سے جو اس کی نظر سے گزرتے تھے۔ بہترین نتائج اخذ کرلیتا تھا۔"

اسی لارڈ چیسٹر فیلڈ نے ایک کتاب تصنیف کی ہے۔ اس کتاب کا نام اس نے "مشاہدہ برائے زندگی" رکھا ہے۔ اسی نادر کتاب میں وہ نامور اور دانائے زندگی شخص رقمطراز ہے کہ "ہر شخص اصل میں دو اشخاص ہوتا ہے۔ یوں سمجھئے کہ ایک جسم میں ایک ہی وقت میں دو جسم ہوتے ہیں۔ اور اس کے یہ دونوں وجود ایک دوسرے کی ضد ہوتے ہیں"۔

میں کوشش کرتا ہوں کہ آپ کو لارڈ چیسٹر کی متذکرہ بالا بات کا مطلب سمجھا سکوں تاکہ آپ اس دانشمند شخصیت کی باتوں سے بہت زیادہ فائدہ حاصل کرسکیں۔ جب آپ کی سمجھ میں اس کی باتیں آجائیں گی۔ اور آپ ان سے اچھی طرح واقف ہوجائیں گے۔ تو پھر زندگی کی راہوں پر تیز قدمی سے رواں دواں ہوجائیں گے۔

آپ یوں سمجھیں کہ ایک انسان جو ظاہر میں بہت شرمیلا نظر آتا ہے۔ یقیناً وہ اندر سے دلیر بننے کا زبردست تمنائی ہے۔ اور اس کے اندر یہ خواہش پائی جاتی ہے۔ کہ وہ ہر کام ہر گفتگو میں نہ صرف نمایاں بلکہ سب سے آگے بڑھ جائے۔

ایسے ہی کچھ لوگ جو بظاہر اپنی تعریف سننے سے کنی کتراتے ہیں۔ یعنی اپنی تعریف و توصیف سننا نہیں چاہتے۔ ان کے دوسرے وجود کو اس بات کی زبردست تمنا ہے۔ کہ کوئی اس کی تعریف کرے۔ جس طرح کچھ اشخاص ایسے دکھائی دیتے ہیں۔ کہ ان کے اندر خود اعتمادی کا نام نشان تک نہیں لیکن ان کے اندر کے وجود کی ممکن تمنا یہ ہوتی ہے۔ کہ ان کے ہر کام ہر حرکت اور ہر بات سے خود اعتمادی کی صفت ٹپکے۔

امید ہے۔ کہ آپ مندرجہ بالا تینوں مثالوں سے مسٹر چیسٹر فیلڈ کی اوپر بیان کردہ بات کا مطلب بخوبی سمجھ گئے ہوں گے۔ اب ذرا ان کا موازنہ اپنی ذات سے کریں۔ اور بتائیں۔ کہ آپ میں کیا کیا خامیاں ہیں۔ اور کیا کمزوریاں پائی جاتی ہیں۔ اس کام کو آپ صرف وقت گزارنے کے لئے یا عارضی طور پر

نہ کریں کیوں کہ اس طرح کہ اس طرح یہ کام نہ ہوگا۔ بلکہ اس طرح کریں۔ کہ اپنے سامنے ایک پنسل اور نوٹ بک رکھ لیں۔ اور اس پر اپنے تمام عیوب اور خامیوں کو لکھتے چلے جائیں۔

اس کام کو کرنے میں شاید آپ کو مشکل پیش آئے۔ یا آپ اپنی انا کو لے کر بیٹھ جائیں۔ میں آپ کو راز کی بات بتانا چاہتا ہوں۔ کہ اگر آپ نے اس کام میں اپنی انا کو داخل ہونے دیا تو آپ کی ساری کوشش رائیگاں چلی جائیں گی۔ جس مقصد کی تکمیل کے لئے آپ نے یہ کام شروع کیا ہے۔ وہ کبھی بھی پورا نہ ہوگا۔ آپ کا اصل مقصد تو اپنے ظاہری وجود کی مکمل نقشہ کشی کاغذ پر منتقل کرنا ہے۔ اگر اس میں آپ کی انا نے روڑہ اٹکا دیا تو آپ یہ لفظی تصویر نہ تو کھینچ سکیں گے۔ اور نہ ہی یہ کبھی پایہ تکمیل کو پہنچے گی۔

اپنی خامیوں، کوتاہیوں، کمزوریوں، برائیوں، اور عیبوں کا مکمل نقشہ ہمہ وقت اپنے ذہن میں رکھنے کے لئے حسب ذیل طریقہ اختیار کرنا پڑے گا۔

آپ کے لئے ضروری ہے۔ کہ دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو کر کسی گوشہ تنہائی میں یکسوئی اختیار کر کے بیٹھ جائیں۔ اور اپنے ذہن کو آزادی کے ساتھ اپنے بارے غور و فکر کرنے پر لگا دیں۔ شروع شروع میں صورت حال کچھ اس طرح ہوگی۔ کہ آپ کے دل و دماغ میں خیالات کی ہنربونگ مچ جائے گی یہ بھی آپ کی انا کی شرارت کی وجہ سے ہوگا۔ وہ ممکن طور پر اس کوشش میں لگی رہے گی۔ کہ آپ کا ذہن آپ کی مرضی اور خواہش کی مطابق مطلوبہ کام نہ کرسکے اس کی یہ بھی کوشش ہوگی۔ کہ آپ کے ذہن کو یہ کام کرنے سے روک دے۔

آپ کا فرض ہے۔ کہ اپنی قوت ارادی سے اس انا کی پیدا کی ہوئی ہنربونگ کو ختم کر دیں ممکن ہے۔ کہ آپ ان انسانوں میں سے ہوں۔ جن میں قوت ارادی نام کی کوئی طاقت ہوتی ہی نہیں یا ہو سکتا ہے۔ کہ آپ میں قوت ارادی تو موجود ہو۔ لیکن آپ اپنی اس صلاحیت کو بروئے کار نہ لا سکتے ہوں۔ خواہ کوئی بھی صورت ہو۔ آپ کو گھبرانے یا پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں میں ایک بہترین ترکیب سے آپ کو روشناس کروائے دیتا ہوں۔ جب آپ کے ذہن میں انا کوئی ہنگامہ شروع کرے۔ آپ بالکل ساکت و جامد ہو کر بیٹھ جائیں۔ آپ محسوس کریں گے کہ بہت ہی قلیل وقت میں ہر طرف خاموشی چھا جائے گی یعنی مطلع صاف ہو جائے گا۔ یہ محسوس کر کے آپ یقیناً حیران ہوں گے۔ اور یہی آپ کی کامیابی کی پہلی سیڑھی ہے۔ دوسری سیڑھی وہ ہوگی۔ جب آپ کا ذہن آپ کی ہدایت کی مطابق مقصد کو عمل کرنے کے لئے اپنا کام شروع کردیگا۔ آپ اب ان باتوں کو لکھتے چلے جائیں جیسے:۔

1- میری لکھائی بہت گندی ہے۔ میں لکھتے وقت قدم قدم پر غلطیاں کر جاتا ہوں۔
2- مجھے اپنے جسم کی صفائی ستھرائی صاف لباس پہننے کی طرف میرا ذہن مائل نہیں کرتا۔

3- میں کسی کام کو سوچنے کے بعد شروع کرنے سے کنی کتراتا ہوں۔
4- جب کوئی شخص میرے کام کرنے کی مخالفت کرتا ہے۔ تو میں خوف سے گھبرا کر اپنے قدم پیچھے ہٹا لیتا ہوں۔
5- میں اپنے مخالفین کا سامنا کرنے سے قاصر ہوں۔ میں ان کے سامنے ڈٹ کر کھڑا نہیں ہو سکتا۔
6- جب کبھی مجھ پر مشکل وقت آجاتا ہے۔ تو میں مشکل کا سن کر گھبرا جاتا ہوں۔

اس طرح بہت سی خامیاں آپ کے علم میں آجائیں گی۔ آپ ان سب کو لکھتے جائیں۔ اس وقت ہماری گفتگو کا مرکز مندرجہ بالا چھ مدات ہی رہیں گی۔

اب آپ کے قدم تیسری سیڑھی تک پہنچنے والے ہیں۔ اب ان چھ مدات کی مخالف اور برعکس مدیں اپنی ذات کا جائزہ لیکر لکھنا شروع کریں۔

1- میری خواہش ہے۔ کہ میری لکھائی خوبصورت ہو۔ اس میں لکھتے وقت غلطیاں نہ ہوں۔
2- میں صاف ستھرا رہنا اور اجلا لباس زیب تن کرنا چاہتا ہوں۔
3- میری خواہش ہے۔ کہ کوئی کام شروع کرنے میں حیل و حجت سے کام نہ لوں۔
4- میں یہ بھی چاہتا ہوں۔ کہ کسی مخالفت سے ڈر کر اپنا کام نہ چھوڑوں۔
5- میری دلی تمنا ہے۔ کہ میں اپنے مخالفین کا ڈٹ کر مقابلہ کروں۔
6- میں یہ بھی چاہتا ہوں۔ کہ میں کسی بھی صورت مشکلات سے نہ گھبراؤں۔

آپ اس پر یقین کامل رکھیں۔ کہ آپ کا اصل وجود وہی ہے۔ جو آپ کی خواہشات آرزوں اور تمناؤں کی صورت میں آپ کو اپنی شکل و صورت دکھا رہا ہے۔

آپ پر لازم ہے۔ کہ اپنے اسی اصلی وجود کو آگے لائیں۔ اس سے میری مراد یہ ہے۔ کہ آپ اپنی اندرونی خواہشات کو عملی جامہ پہنانے کی تدابیر کریں۔ آپ ویسا ہی بننے کی کوشش شروع کر دیں جو کچھ آپ حقیقت میں ہیں۔ آپ اس میں ضرور کامیاب ہو جائیں گے۔ ضرور کامیاب ہونگے میں جو اس بات پر زیادہ زور دے رہا ہوں۔ اس کی بھی ایک مخصوص وجہ ہے۔

میں جتنے بھی کامیاب لوگوں سے ملا ہوں۔ میں نے ہمیشہ ان سے یہی سوال کیا ہے۔ کہ کیا وہ اپنے اندر کے وجود پر مکمل یقین رکھتے ہیں۔ ان سب کا ایک ہی جواب مجھے سننے کو ملا۔ اور وہ تھا کہ وہ سب اپنے موجودہ مقام پر پہنچتے ہی ان تمام اندرونی وجود کی خواہشات اور مطالبات کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے بعد ہیں۔

اب میں آپ کی ملاقات ایک بین الاقوامی سطح پر مشہور کمپنی کے ڈائریکٹر سے کرواتا ہوں۔ اس ڈائریکٹر کا نام مسٹر جی آر پارکس اور ان کی کمپنی کا نام پارکس ٹرک اینڈ ایکوئپ منٹ کمپنی ہے۔

"میں یہ بات مکمل یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں۔ کہ ایک شخص ویسا ہی بن سکتا ہے۔ جیسا بننے کی تمنا اپنے دل میں پیدا کرتا ہے۔ اور یہ خواہش اس کے اندر کے وجود کی ہوتی ہے۔ اور اندر کا وجود ہی اس کا اصلی وجود ہوتا ہے"۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایک شخص اپنے اندرونی یعنی اصلی وجود کی تمناؤں کی تکمیل کن طریقوں سے کرے۔ یا کن وسائل سے امداد حاصل کرے۔ یا پھر کن لوگوں کو ذریعہ یا واسطہ بنائے علم نفسیات کی رو سے جب آپ کا لاشعور (جسے تحت الشعور بھی کہتے ہیں) کوئی تجویز آپ کے سامنے لاتا ہے۔ تو آپ کے اندر کا وجود اسی خواہش کا اظہار کرتا ہے۔ آپ اس کا نام "عمل خود تجویزی" رکھ سکتے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ اس کی وضاحت کرتا چلوں تاکہ آپ اس "عمل خود تجویزی" کا پورا مفہوم ذہن نشین کر سکیں۔

یہ بات تو آپ بخوبی سمجھتے اور جانتے ہیں۔ کہ انسان کا ظاہری وجود دیکھتا اور سنتا زیادہ ہے۔ اور سوچتا بہت کم ہے۔ اس کا انجام یہ ہوتا ہے۔ کہ یہ ظاہری وجود عموماً دوسروں کی نقل کرتا ہے یا پھر ان پر نکتہ چینی کرتا ہے۔

تفصیل اس کی یوں ہے کہ ایک آدمی ناخواندہ ہے۔ یا معمولی پڑھا لکھا ہوا ہے۔ اور اس کا خاندانی پس منظر بھی عام سا ہے۔ وہ آدمی صرف نقل کر سکتا ہے۔ یعنی جیسا دوسروں کو کرتے ہوئے دیکھے گا۔ ویسا ہی خود کرنے لگے گا دوسری صورت میں اگر وہ تعلیم یافتہ ہے۔ اس کا تعلق کسی معروف خاندان سے بھی ہے۔ تو وہ دوسروں سے جو کچھ سنتا ہے۔ یا کرتے ہوئے دیکھتا ہے۔ اس پر خوب نکتہ چینی کرے گا۔

مختلف لوگ مختلف طریقوں سے نکتہ چینی کرتے ہیں۔ کچھ لوگوں میں ضبط کا مادہ نہیں ہوتا۔ ان میں قوت برداشت کے ساتھ ساتھ صبر و تحمل کی بھی کمی ہوتی ہے۔ ان کا طریقہ یہ ہوتا ہے۔ کہ وہ کسی بھی قابل اعتراض کام یا بات پر بلا توقف اعتراض کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ آپ اسے نکتہ چینی بھی کہہ سکتے ہیں جبکہ کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں۔ جو فی الوقت بات کو برداشت کر لیتے ہیں۔ لیکن بعد میں اس کو اپنے دماغ اور ذہن سے خوب سوچتے ہیں۔ غور خوض کرتے ہیں۔ اس طرح ان کا دماغ اس اعتراض والی بات پر یا کام پر اپنا رد عمل شروع کر دیتا ہے۔ عام لوگوں کی زبان میں ایسا کرنے کو "دل میں بات رکھنا" کہا جاتا ہے۔ البتہ اس طرح کی بات کا تحت الشعور سے دور کا بھی واسطہ یا تعلق نہیں ہوتا۔

جب دماغ اپنا کام مکمل کر لیتا ہے۔ تو معترضہ بات یا کام کے بارے کیا رد عمل یا رویہ اختیار کرتا ہے۔ یہ ایک الگ موضوع ہے۔ اسی لئے یہاں اس پر بات کرنا بے سود ہے۔ اور میری بھی کوشش یہی ہے۔ کہ اس کو یہاں نہ چھیڑوں۔

اس بات کو اپنے ذہن میں محفوظ کر لیں۔ کہ نقالی اور نکتہ چینی جیسے افعال انسان کے ظاہری وجود

سے تعلق رکھتے ہیں۔ جبکہ اس کا اندرونی وجود اسے مثبت اور فائدہ مند تجاویز پیش کرتا ہے۔ نیز اندر کا انسان اسے بہتر صلاحیتوں اور مفید مشوروں سے نوازتا ہے۔ بیشک آپ میں ہمت کی کمی ہے۔ مگر آپ کے اندر باہمت اور باحوصلہ انسان بننے کی خواہش موجود ہے۔ تو یہ تجویز آپ کے لاشعور کی ہے۔ اور آپ کا لاشعور ہی آپ کو آپ کے فائدے اور بھلے کی بات سمجھا رہا ہے۔

کسی بھی شخص کا لاشعور اس کے ظاہری وجود کا نہ تو ماتحت ہوتا ہے۔ اور نہ ہی اس کا حکم ماننے کا پابند ہے۔ وہ جو بھی تجاویز دیتا ہے۔ وہ ظاہری وجود کی سوچ" خیالات اور ارادوں سے مختلف ہوتی ہیں۔ بلکہ اکثر دیکھنے میں آیا ہے۔ کہ لاشعوری تجاویز ظاہری وجود کا نہ صرف ضد ہوتی ہیں بلکہ اس کا الٹ بھی ہوتی ہیں۔

کیا آپ نے کبھی سوچا ہے۔ کہ ایسا کیوں ہوتا ہے۔ آپ کے لئے اس راز سے واقف ہونا بہت ضروری ہے۔ آپ اس سے آگاہی حاصل کئے بغیر خود کے لئے مفید اور بہتر مشورے نہیں دے سکتے۔ صرف یہی نہیں۔ آپ کو ان مشوروں کی نوعیت بھی سمجھ نہیں آسکے گی۔ اس وجہ سے آپ ان مفید تجاویز اور مشوروں پر ٹھیک طور سے عمل بھی نہیں کر سکیں گے۔

انسان جب کسی کام میں مستغرق ہوتا ہے۔ تو اسے وقت کے گزرنے کا بھی احساس نہیں ہوتا اور جب کوئی دوسرا آکر اسے یہ احساس دلاتا ہے۔ کہ اب تو کھانے کا وقت ہو گیا ہے۔ یا دن کا ایک بج چکا ہے۔ تو آپ چونک کر کہتے ہیں۔ کہ ابھی سے! یا اتنی جلدی کھانے کا وقت ہو گیا ہے۔ اس سے آپ پر کیا ظاہر ہوتا ہے۔ آپ سوچتے ہیں۔ کیا وقت کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ایک وقت وہ ہے۔ جس کا تعلق آپ کے ظاہری وجود سے ہوتا ہے۔ اور دوسرا وقت وہ ہوتا ہے۔ جس کا تعلق گھڑی یا کلاک سے ہوتا ہے۔ یعنی تجربہ سے بتایا ہوا وقت کلاک کا وقت ہوتا ہے۔ یہ بات بھی میں آپ کو ایک مثال سے سمجھانے کی کوشش کرتا ہوں۔ ایک شخص نے ایک دفعہ بتایا۔ میں ایک ہوائی جہاز میں سفر کر رہا تھا۔ یہ جہاز "وڈ راک سے فیڈرے" جا رہا تھا۔ مجھے اسی جہاز سے جلدی واپس بھی لوٹنا تھا۔ میں شروع ہی سے ہوائی سفر سے خوف کھاتا تھا۔ میں نے اپنے دل میں یہ خیال کیا۔ کہ میں اپنے دفتر سے (جو پارک دیو میں واقع ہے) اپنے گھر کی طرف جا رہا ہوں۔ میرا گھر گلگرری پارک میں ہے۔ مجھے ایسا سوچنے سے ایک ایسا سکون ملا۔ کہ ہوائی سفر کا خیال تک نہ آیا۔ اور میرا سفر بھی آسان ہو گیا۔ اسی دوران میں نے اپنی وقت گزاری کے لئے دفتر سے گھر تک کے راستے کے تمام مرحلوں کو اپنے ذہن کے پردے پر نقش کیا۔ کہ کس طرح میں دفتر سے نکلنے کے بعد کتابوں کی دکان پر جاتا ہوں کس طرح بس پر سوار ہو کر اسٹیشن پہنچتا ہوں۔ اور پھر کس طرح تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا گھر کی طرف چل پڑتا ہوں۔ اس سفر کے بعد جب میں اپنے گھر پہنچتا ہوں (یہ صرف میرا تصور تھا) اس پر میں نے یہ خیال بھی کیا۔ کہ اتنے بجے جہاز سے اتروں گا۔ میں یہ جان کر حیران رہ گیا۔ کہ جب

میرا جہاز وڈراک کے رن وے پر دوڑ رہا تھا۔ میں نے گھڑی پر وقت دیکھا۔ تو پتہ چلا۔ کہ میرے تصوری سفر نے مجھے مقررہ وقت سے بھی دس منٹ قبل اپنے گھر پہنچا دیا تھا۔

اس واقعہ سے آپ کو معلوم ہو گا کہ تصوری وقت اور گھڑی کے وقت میں خاصا فرق ہوتا ہے۔ اب میں ایک اور مثال پیش کرتا ہوں۔ میں جب یہ الفاظ سپرد قلم کر رہا ہوں۔ مجھے اس وقت شعوری طور پر یہ احساس ہو رہا ہے۔ کہ میرے خیالات اور میرے الفاظ لکھنے کے عمل سے بہت آگے ہیں۔ کیونکہ خیالات کو قابو کر کے کاغذ پر لکھنا بڑا مشکل کام ہوتا ہے۔ یہ بالکل اسی طرح جس طرح آپ ایک کار چلاتے ہوئے بار بار بریک لگا بانٹتے یہ معلوم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ کہ آپ اس وقت کہاں ہیں۔ شاید اسی لئے برگسان نے کہا ہو گا کہ بیرونی وقت توجہ کو بانٹتے رہنے پر مشتمل ہے۔

اندرونی وقت آپ کے لئے بیرونی وقت سے بہت مختلف طرح کا ہوتا ہے۔ اس کی حقیقت اور نوعیت کو سمجھانے کے لئے میں ایک اور مثال بیان کرتا ہوں۔ تاکہ آپ کو دونوں کی الگ الگ حیثیت کا اندازہ ہو سکے۔

آپ اپنے کسی مسرت و شادمانی کے وقت اور موقع کو ذہن میں لائیں۔ یہ موقع ایسا ہو۔ جب اس لطف و انباط کی وجہ سے دنیا و مافیہا سے بالکل بے خبر ہو کر پورے لطف اندوز ہو رہے ہوں۔ اس وقت آپ کو معلوم ہو گا۔ کہ وقت کو پر لگ گئے ہوں گے۔ اور گھنٹے اس طرح جلد گزرے ہونگے جیسے منٹ گزرتے ہیں۔

اس کے برعکس اپنا گزرے ہوئے زمانہ کا کوئی ایسا موقع ذہن میں لائیں جب آپ کسی دکھ کی وجہ سے سخت بوریت محسوس کر رہے تھے۔ آپ کو محسوس ہوا ہو گا۔ کہ وہ منٹ اسی طرح آہستہ آہستہ گزرے ہونگے۔ جیسے گھنٹے گزر گئے ہوں۔

آپ یوں سمجھ لیں کہ جو وقت آپ نے مسرت و شادمانی کی حالت میں گزارا اور آپ نے گھنٹوں کو منٹوں کی طرح گزرتے محسوس کیا۔ وہ آپ کا اندرونی وقت تھا۔ اور یہی وہ لمحات اور وقت ہوتا ہے۔ جو آپ ظاہری یا بیرونی وقت کے احساس سے بہت دور ہوتے ہیں۔ اور آپ کا اندرونی وجود آپ پر مکمل قابض ہوتا ہے۔

انہی خوشی و مسرت کے لمحات میں آپ وقت کی قید سے مکمل طور پر آزاد ہو کر کسی انجانی دنیا میں پہنچے ہوئے ہوتے ہیں۔ یہی دنیا آپ کے سکون صحیح غور و فکر اور ذہن کو بلند کرنے کی دنیا ہے۔ جب آپ ایسی دنیا میں داخل ہو جاتے ہیں۔ تو آپ اپنے آپ کو ظاہری وجود سے لاتعلق کر لیتے ہیں۔ اور آپ کو اپنی زندگی، حالات، واقعات کے علاوہ سب کچھ اپنی اصلی اور صحیح شکل و صورت میں دکھائی دینے لگتا ہے۔ "مسٹر پنوزا" نے انسان کی اسی ذہنی کیفیت کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا ہے۔

اس حالت میں انسان کی آنکھ جادوئی حالت کی تصویر دیکھتی ہے۔ ان لمحات میں انسان کا ذہن وقت کی حدود میں نہیں ہوتا۔ اور اس کی سوچ مثبت پہلوؤں پر غور کرتی ہے میری اس طویل گفتگو کا اصل مقصد یہ ہے۔ کہ آپ اپنے اندرونی وجود کو اپنی ترقی کا بہترین ذریعہ اور وسیلہ بنا سکیں۔

اب ذرا اس بات پر غور کریں۔ جب آپ چھوٹے سے بچے تھے۔ اور آپ کا تصور وقت بھی بڑی عمر کے لوگوں سے مختلف تھا۔ اور لڑکپن اور بچپن کی کچھ نہ بھولنے والی یادوں کا ایک سبب یہی تصور وقت ہی ہوتا ہے۔ یہاں میں آپ کو ایک شخص کے بچپن کا ایک تجربہ سناتا ہوں۔ اس کا کہنا ہے کہ جب میں چار برس کا تھا۔ تو اپنے گھر واقع "برکن ہیٹ" کے باہر بیٹھا کوئی کھیل کھیل رہا تھا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے۔ وہ ایک گرم دن تھا۔ اور میں وہاں پڑی ہوئی گرم گرم تارکول کو اٹھا کر اپنے ہاتھوں سے چھوٹی چھوٹی گولیاں بنا رہا تھا۔ جبکہ میونسپلٹی والے یہ تارکول پٹڑی کے اوپر رکھے گئے بڑے بڑے سلوں کے ٹکڑوں کو آپس میں ملانے کے لئے ڈال کر گئے تھے۔ گرمی کی وجہ سے تارکول نرم ہو چکا تھا۔ اسی لئے میں اپنی انگلیوں کی مدد سے اسے سلوں کے درمیان سے آسانی کے ساتھ نکال لیتا تھا۔ اور اس کی گولیاں بناتا جاتا تھا۔ مجھے اس وقت یہ احساس نہ ہوا۔ کہ کتنا وقت گزر گیا ہے۔ یا میں کہاں بیٹھا ہوا ہوں۔ ہاں میں اتنا احساس رکھتا تھا۔ کہ میری پشت کی جانب مکانوں کی ایک لمبی قطار ضرور موجود ہے۔ اور انہی مکانوں میں سے ایک میں میرا اپنا خاندان بھی رہتا ہے۔ اور ہمارا مکان اس لمبی قطار کے آخری سرے پر تھا۔ اور اس سڑک پر بے شمار کاریں دوڑتی بھاگتی رہتی تھیں۔ یہ ساری باتیں اکھٹی ہو کر میرے (لاشعور میں) اندر جذب ہو گئی تھیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ انسان بچہ ہونے کی حیثیت سے اس دنیا کی چند جھلکیاں ہی دیکھتا رہتا ہے۔ اور اسی بات کو صوفیائے کرام نے وحدت الوجود کا نام دے رکھا ہے۔ اس کا کہنا ہے۔ کہ وہ گزرے ہوئے تمام واقعات آج بھی مجھے اچھی طرح یاد ہیں۔ اور میں یوں محسوس کرتا ہوں کہ یہ سب واقعات کل ہی تو تھے۔ جبکہ ان کو گزرے ہوئے کم و بیش پچپن سال سے زائد کا عرصہ گزر چکا تھے۔ بچپن کے عہد میں انسان کو زندگی اپنی اصلی شکل میں دکھائی دیتی ہے۔ اور دور طفلی کی یہ ایسی صفت ہوتی ہے۔ جو بچپن کا زمانہ گزرنے کے ساتھ ہی ختم ہو جاتی ہے۔ جبکہ لوگ بچپن میں دیکھی ہوئی زندگی کی اصل صورت پر لڑکپن کا رنگ چڑھا دیتے ہیں۔ یہ بھی انسانی ذہنیت پر منحصر ہے۔ کہ یہ دیکھا جائے یا وہ نہ دیکھا جائے۔ بلکہ دیکھنا یہ چاہئے۔ کہ کیا ہونے والا ہے۔ ہم اپنے بچپن کے دور کو ایک مرد یا ایک عورت کی حیثیت سے دیکھتے ہیں۔ اور یہی کچھ "فرائیڈ" نے کہا ہے۔ اس کی اس بات سے پتہ چلتا ہے۔ کہ اس نے عہد طفولیت کا بالکل جھوٹا نظریہ پیش کیا ہے۔ جبکہ مسٹر کرشنا مورتی" نے موجودہ دور کا ذکر کیا ہے۔ اور اس کا کہنا زیادہ درست معلوم دیتا ہے۔ انسان کو چاہئے کہ وہ موجود کو نہ دیکھے۔ اور اگر وہ ایسا کرے تو اسے دنیا اور زندگی کی اصلی اور حقیقی شکل دیکھ لے۔ (موجود سے مراد زندگی اندرونی یا دائمی شکل میں) کیونکہ موجود ہی کی

وجہ سے تمام جھگڑوں کی بنیاد قائم ہو جاتی ہے۔ کائنات کا حسن موجود ہے۔ اگر انسان کو موجود سے آگہی حاصل ہو جائے۔ تو وہ اس کی وجہ سے کائنات کے حسن سے سیراب ہو سکتا ہے۔ ایک بچہ کو جو دکھائی دیتا ہے۔ وہ وہی کچھ ہی دیکھتا ہے۔ اور جو کچھ وہ دیکھتا ہے اس کے متعلق ایک انگریز شاعر "مسٹر ورڈز ورتھ" نے یوں کہا ہے کہ "خواب جیسی ایک شان و شوکت اور صاف مناظر ہوتے ہیں"

اس بچے کے لئے زندگی صرف "مزہ ہی مزہ" ہے۔ اور اگر اس پر ماں باپ یا کوئی اور "مت کر" کا ڈنڈا نہ برسائے۔ تو وہ اپنے آپ کو زندگی کے مزوں کا جزو کہنا شروع کر دے اور پھر یہیں سے اور اسی کی مدد سے اپنے ماحول کا شعور پیدا کرنا شروع کرتا ہے۔ اسی مقام سے اس کے تجربات کی ابتدا پیدا ہونا شروع ہو جاتی ہے۔

شاید آپ نے کبھی اس بات پر غور نہیں کیا ہوگا۔ کہ آپ کو بچپن کے چھوٹے چھوٹے واقعات اور معمولی معمولی باتیں کیوں یاد آتی رہتی ہیں۔ ایسی کون سے جادوئی طاقت ہے۔ جو ان دنوں کی باتوں اور واقعات کو بھولنے نہیں دیتی۔ اور ان ہزاروں واقعات میں سے چند کو آپ کے ذہن سے کسی بھی صورت مٹنے نہیں دیتی۔ کیا "ورڈز ورتھ" کے الفاظ کے مطابق وہ جاودان یا غیر فانی زندگی کے ارشادات ہوتے ہیں۔

بچوں کے لئے ان بچپن کے واقعات میں سے کچھ واقعات ایسے ہوتے ہیں۔ جو ایک معمہ کے بنیادی حصے ہوتے ہیں۔ اس کا ذہن اسے ایک وقت میں ایسا ہی ایک ٹکڑا پیش کرتا ہے۔ جس کی حقیقت برسوں بعد عیاں ہوتی ہے۔ وہ لڑکپن کا زمانہ ہوتا ہے۔ اور جب وہ اس زمانہ میں حالات کی تصویر دیکھتا ہے۔ تو اسے ایک جھٹکا سا لگتا ہے۔ کیونکہ اب اسے وہ تصویر ذرا مشکل ہوتی دکھائی دیتی ہے۔ کیونکہ اس کو محسوس ہوتا ہے۔ کہ یہ تصویر جعلی ہے۔ نقلی ہے۔ اور اس دنیا کی تصویر ہوتی ہے۔ اور جب اس کو زندگی گزارنے میں اس کے ماں باپ اور استادوں نے بڑی مدد دی ہوتی ہے۔

زندگی کی جاودانی یا غیر فانی شکل دیکھنے سے جو چیزیں انسان کی راہ میں حائل ہوتی ہیں۔ وہ اس کی انا غرور ذہنی تعصب اور وقت کے گزرنے کا شدت سے احساس ہیں جب وہ یہ سوچتا ہے۔ کہ وہ بوڑھا ہو رہا ہے۔ اور مر بھی جائے گا۔ تو ان سوانح کی بنا پر وہ زندگی کا جاوداں رخ دیکھنے سے دور رہتا ہے۔ یہ راز مسٹر ڈی ایچ لارنس کو اچھی طرح معلوم تھا۔ اسی لئے تو مسٹر "آلڈس ہکسلے" نے کہا تھا۔ "وہ انسانی دماغ کے پرے واقع دوسری دنیا کی موجودگی کو کبھی بھول نہیں سکتا" اسی لئے تو ڈی ایچ لارنس نے اپنی مشہور نظم "حسن جاودان" میں یہ تصور نمایاں طور پر پیش کیا ہے۔ نظم کا ترجمہ پیش کرتا ہوں۔

ایک نوجوان نے مجھ سے پوچھا
میں اصل حقیقت الوجود کو جاننا چاہتا ہوں

میں نے اس سے کہا۔ کیا واقعی!
جب میں نے دیکھا کہ نوجوان مڑ کر ایک طرف دیکھنے لگا
اس کی نظر آئینے میں اپنے عکس پر تھی
یہاں ان صاحب کا بیان ختم ہو جاتا ہے

اب اس ساری بات کا خلاصہ مختصر الفاظ میں حاضر ہے۔ انسان کو اپنے اندر بھی دیکھنا چاہئے کیونکہ ایسا کرنے سے انسان کو باہر کے سارے حالات اچھی طرح سمجھنے میں مدد اور راہنمائی کے علاوہ روشنی بھی ملے گی۔

اب کچھ عملی طریقے پیش ہیں۔ جو اندر دیکھنے میں مدد و معاون ہو سکتے ہیں۔

1- بار بار اپنے خول سے باہر آنے کی کوشش میں لگے رہئے کیونکہ انسان کا ایک وجود وہ ہے۔ جو اس دنیا میں زندگی کے حالات سے نبرد آزما رہتا ہے۔ اور جس پر روز مرہ کے مسائل کا بھاری بوجھ لدا رہتا ہے۔ جب کہ اس کا دوسرا وجود ان تمام کاموں سے دور رہ کر صرف اس کی نگرانی کرتا رہتا ہے۔ پہلے وجود کے لئے وقت کی قید از حد ضروری ہوتی ہے۔ جبکہ دوسرا وجود اس قید سے آزاد ہے۔ اور زندگی کا صحیح معنوں میں رہبر و رہنما ہے۔ اور یہی وجود انسان کو بتا سکتا ہے۔ کہ اس نے اب تک اپنی زندگی میں کون کونسی غلطیوں کا ارتکاب کیا ہے۔ اور اس حاضر وقت میں کیا کیا غلطیاں کر رہا ہے۔ یہی وجود انسان کو اس کی گفتگو کا انداز، خیالات، اور اظہار خیالات کے طریقے اس کے پیچھے سے متعلق مشکلات اور پھر ان مشکلات پر حاوی نہ ہو سکنے کی وجوہات سے بھی آگاہ کرتا ہے۔

2- آپ کا دوسرا وجود آپ کو یہ سمجھاتا ہے۔ کہ تمہاری اصلیت کیا ہے۔ آپ میں کیا کمی ہے۔ اور کونسی صلاحیت ہے۔ آپ کا یہ دوسرا وجود ایماندار ہونے کے ساتھ ساتھ سچا اور دیانتدار بھی ہے۔ جب کہ آپ کا پہلا وجود میکانکی طریقہ سے زندگی گزارنے پر اکتفا کرتا ہے۔ جب کوئی شخص اس کے کسی کام پر اعتراض کرتا ہے۔ یا اس کی بات میں نقص نکالتا ہے۔ تو وہ اپنے اوپر اعتراض کرنے والوں کو جھوٹا کہنے لگ جاتا ہے۔ یا پھر اسے کسی ایسے انسان کی تلاش ہوتی ہے۔ جس میں وہ تمام خامیاں ہوں۔ جو اس کے اپنے اندر موجود ہیں۔ تاکہ وہ اس کی باتوں اور اعمال کو سچا کہنے کے علاوہ اس کی تعریف بھی کرے۔

اگر آپ کے دوسرے وجود کو دوسرے لوگوں سے داد و تحسین نہ ملے۔ تو یہ ناراض ہو جاتا ہے۔ اور دوسروں کو ایک آئینہ سمجھ کر ان کے چہروں میں اپنا عکس دیکھتا ہے۔ اور وہ یہ عکس یا شبیہ اس طرح دیکھتا ہے۔ جیسے دنیا والے اسے دیکھتے ہیں۔ کچھ ہوشیار لوگ ایسا رویہ اختیار کرتے ہیں جس سے یہ

ظاہر ہو کہ وہ اسے یعنی آپ کے دوسرے وجود کو پسند کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی ممکن کوشش ہوتی ہے۔ کہ اس سے ناجائز فائدہ حاصل کریں اگر آپ کبھی اپنے وجود نمبر ۱ سے باہر نکل کر وجود نمبر ۲ کی باتوں کو غور سے سنیں تو آپ پر عیاں ہو جائے گا۔ کہ آپ غلط ہیں یا صحیح۔

3- اگر آپ ظاہری وقت یعنی گھڑی کے وقت پر رہیں تو آپ یقیناً خوش نہیں رہیں گے۔ کیونکہ وقت کو جلووال دیکھنا گھڑی کے وقت سے دور نکل جاتا ہے۔ البتہ گھڑی کے وقت کی حد میں رہتے ہوئے آپ کو محسوس ہو گا۔ کہ وقت گزرنے کا نام ہی نہیں لے رہا ہے۔ اور آپ پر ایک طرح سے بوریت طاری ہو جائے گی اگر آپ بے فکر ہو کر اپنا کام کرنے میں محصور ہو جائیں۔ تو آپ کا مطلوبہ وقت یعنی آٹھ بجے یا دس بجے کا وقت بہت جلد آپ کی توقع سے بھی قریب تر آجائے گا۔ کوشش کریں کہ آپ وجود میں سدا معروف رہیں۔ دوسرے لفظوں میں یوں سمجھئے۔ کہ آپ جس کام میں لگے ہوئے ہیں۔ بے فکر ہو کر جاری رکھیں۔ چاہئے یہ کام کیسا ہی کیوں نہ ہو میرا مطلب ہے اہم یا غیر اہم۔ کیونکہ زندگی میں جتنا ہو سکے آپ اپنی دلچسپی قائم رکھیں۔ آپ کی زندگی بہت زیادہ دلچسپیوں سے لبریز ہے۔ اور زندگی کی دنیا کے ہر ہر لمحہ میں کوئی نہ کوئی نئی دلچسپی کی بات یا کوئی نہ کوئی دلچسپ کام واقع ہوتا ہی رہتا ہے۔ البتہ اس بات سے آپ کو آگاہ رہنا ضروری ہے۔ یہ نہ بھولیں زندگی کی لہر ہر گھڑی اور ہر آن جاری و ساری رہتی ہے۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ کسی انسان کی اپنی زندگی ساکن ہو یا دلچسپی سے عاری ہو۔ اگر ایسی حالت ہو۔ تو اس پر لازم ہے۔ کہ وہ اسے دلچسپ اور متحرک بنانے کی تگ و دو کرے۔ زندگی کو متحرک اور دلچسپ بنانے کا طریقہ یہ ہے۔ کہ آپ اپنے آپ کو مشورے دیتے رہیں یعنی خود اپنے مشیر بنے رہیں اور جب بھی ایسی ضرورت درپیش ہو۔ اپنے اندرونی وجود سے مشورہ کریں۔ وہ آپ کی بہتر رہنمائی کرے گا۔ اور جو مشورہ بھی وہ آپ کو دے۔ اسی کو پیش نظر رکھ کر زندگی کی راہ پر دوڑتے چلے جائیں اگر اندر کے وجود کے مشوروں پر عمل کرنے کے سلسلہ میں آپ کی بیوی (شریک حیات) آپ کو مدد کی پیش کش کرے تو بخوشی قبول کرلیں کیونکہ اس سے بہتر مدد آپ کی کوئی اور نہیں کر سکتا۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ آپ کی شریک حیات کی مدد یا تعاون کی مدد کیسی ہونی چاہئے اس کا جواب مسٹر جی ار پارکس جن کا ذکر میں پہلے کر چکا ہوں انہوں نے اپنے انٹرویو میں بتایا تھا کہ میں یہ بات یقین سے کہہ سکتا ہوں۔ کہ کوئی بھی انسان ویسا ہی بن سکتا ہے۔ جیسا وہ بننا چاہتا ہے۔ اور جس رفتار پر وہ خود کو تبدیل کرنے پر قادر ہے۔ اس میں تندی تیزی بھی پیدا ہو سکتی ہے۔ شرط یہ ہے۔ کہ اس کوشش اور جدوجہد میں اس کی بیوی اس سے مکمل تعاون کرنے پر رضامند ہو۔ کیونکہ ایک خاوند پر جتنا گہرا اثر اپنی

شریک حیات کے خیالات طرز عمل عقائد اور نظریات کا ہوتا ہے۔ کسی اور کا اتنا زیادہ اور جلدی نہیں ہوتا۔

مسٹر پارکس نے مزید کہا۔ کہ میری بیوی کو میری زوجیت میں آنے سے پہلے دنیا کی ہر نعمت میسر تھی۔ اس کے ماں باپ خاصے امیر لوگ تھے۔ جنہوں نے اسے اعلیٰ تعلیم کے زیور سے آراستہ کیا تھا۔ اس کی پرورش میں کوئی کسر باقی نہ چھوڑی تھی۔ وہ ہمیشہ ناز و نعمت میں بڑھتی رہی تھی۔ ان کا گھر جنت کا نمونہ تھا۔ جس میں کسی چیز کی کمی نہ تھی۔ میرا مطلب ہے۔ کہ ان کے گھر میں دنیا کی ہر نعمت اور ضرورت کی ہر چیز وافر موجود رہتی تھی۔

اور دوسری طرف ایک میں تھا۔ کہ جس کے پاس نہ دولت تھی۔ نہ سونا چاندی اور نہ ہی تعلیم اور نہ ہی میرے پاس ایسے ذرائع تھے۔ کہ میں ترقی کی منزلوں تک پہنچ سکتا۔ البتہ میرے پاس صرف ایک چیز تھی۔ اور وہ تھی کچھ کر گزرنے کی خواہش کچھ بن کے دکھانے کا جذبہ، جن میں ہر وقت جنوں کی حد تک غرق رہتا تھا۔

جب میری شادی کا وقت آیا۔ اور ہو بھی گئی۔ تو میں شروع کے ایام میں جدوجہد میں لگا ضرور رہتا تھا۔ مگر ہر بار ناکامی میرا استقبال کرتی میں اپنی بیوی کا بہت مشکور ہوں جو ہر بار مجھ میں نیا حوصلہ پیدا کر دیتی تھی۔ اور مجھے اپنی ناکامی کا احساس نہ ہونے دیتی تھی میری اور اس کی تمنا تھی۔ کہ ترقی کرنے کا حوصلہ ہر صورت قائم رہے۔

آپ بے چین ہوں گے۔ کہ اس بات کا جو مسٹر پارکس نے بیان کی نتیجہ کیا نکلتا ہے تو سنیئے۔ جب ایک عورت اپنے مرد کے ولولہ اور جذبہ کی تعریف کرتی ہے۔ تو یقین کریں مرد کی ہمت اور حوصلہ میں کئی گنا اضافہ ہو جاتا ہے۔ اور یہی بات خود مسٹر پارکس نے بھی بتائی۔ ان کا کہنا ہے۔ کہ اگر میری بیوی میرا حوصلہ نہ بڑھاتیں۔ تو جو کچھ آج ہوں کبھی نہ ہوتا۔ یعنی میری کامیاب زندگی کا حقیقی اور اصلی راز میری بیوی کی حوصلہ افزائی ہی ہے۔ جو امداد اور تعاون ایک خاوند کو اپنی بیوی سے حاصل ہوتی ہے۔ اس سے انسان کو بہت زیادہ فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ اسی لئے تو میں آج براعظم امریکہ کے چند کامیاب ترین آدمیوں میں سے ایک ہوں۔ میں بڑے فخر سے آپ کو یہ بات بتا رہا ہوں۔ کہ میری تمام تر کامیابیوں کا سہرا میری بیوی کے سر ہے۔ اگر وہ بار بار مجھے حوصلہ نہ دلاتی۔ میری ہمت افزائی نہ کرتی تو میں آج کا مسٹر جی آر پارکس نہ ہوتا۔ البتہ جی ار پارکس ضرور ہوتا۔

میں نے مسٹر پارکس سے ایک سوال یہ پوچھا کہ کیا ان کی بیوی یا ان کے ماں باپ نے آپ کے کاروبار میں کسی موقع پر مالی امداد کی۔ یا کبھی ایسی کوئی پیش کش کی؟

ان کا جواب بہت واضح تھا۔ کہ وہ تو ہر لمحہ ایسا کرنے کے لئے تیار رہتے تھے۔ مگر مجھے کبھی ایسی

ضرورت ہی محسوس نہ ہوئی- البتہ اگر کوئی ایسا وقت آجاتا- کہ مجھے مالی امداد کی ضرورت پڑ جاتی- تو میں یقیناً کسی اور ذریعہ سے پوری کرتا- کیونکہ میں یہ گوارہ نہیں کرتا کہ بیوی یا اس کے والدین کے سرمایہ سے کام کرتا- میری بیوی کو میری اس عادت کا اچھی طرح علم تھا- اس لئے بھی اس نے کسی وقت بھی اس قسم کی پیشکش کرنے کی غلطی نہیں کی- اور یہی چیز اس کی فہم و فراست اور ذہنی بلندی کی زندہ جاوید دلیل ہے-

جن دنوں میں نے مسٹر پارکس کا یہ انٹرویو لیا تھا- ان دنوں ان کی اہلیہ یعنی مسز پارکس بوڑھی ہو چکی تھیں- اور جسم کمزور ہونے کی وجہ سے کافی نحیف اور قدرے بیمار رہتی تھی- البتہ اپنے مجازی خدا کی مصروفیات سے وہ ہمہ وقت باخبر رہتی تھی- اور اس کا اپنے شوہر کی سرگرمیوں سے لگاؤ کا عالم بھی وہی تھا- جو جوانی کے عالم میں ہوتا تھا- مسٹر پارکس نے خود بتایا تھا- کہ اس عمر میں بھی ان کی بیوی ان کی خوب دلجوئی میں لگی رہتی ہے- اور میری خاطر اپنی صحت اور بیماری کی پرواہ نہ کرتے ہوئے بھی شاداں اور فرحاں رہنے کی کوشش کرتی رہتی ہے- آج بھی اسے میری بہت زیادہ فکر لگی رہتی ہے- جب صبح کے وقت میں اپنے کام پر جانے کے لئے گھر سے روانہ ہونے لگتا ہوں- وہ مجھ سے میرے دن بھر کے کاموں کے متعلق مکمل تفصیل پوچھتی ہے- اور مناسب مشورے دیتی ہے- میرا حوصلہ بندھاتی ہے- اور پھر جب شام کو گھر واپس پہنچتا ہوں تو وہ دوبارہ پورے دن میں کئے جانے والے کاموں، ملاقاتوں اور پروگراموں کا حال پوچھتی ہے- اور ان کو بڑے غور سے سنتی رہتی ہے- میری بیوی کو یہ ارمان ہے- اور خواہش ہے- کہ میں اپنے ملک کا سب سے کامیاب تاجر بن جاؤں- اور میں بھی چاہتا ہوں کہ اس کی خواہشات اور ارمانوں کو پورا کرکے دکھلاؤں مجھے یقین ہے- کہ اب آپ کو اپنی بیویوں کے مشوروں اور تعاون سے حاصل ہونے والے فوائد کا پورا پورا اندازہ ہو چکا ہوگا- اور مندرجہ بالا بات چیت اس سوال کا تسلی بخش جواب بھی ہے- جو اس سے پہلے صفحات میں اٹھایا گیا تھا-

ہر شادی شدہ عورت کا فرض اولیں ہے- کہ وہ اپنے خاوند کو ویسا ہی بنانے میں مکمل تعاون کرے- اپنے قیمتی مشوروں سے نوازے- اور حوصلہ افزائی بھی کرتی رہے- جیسا کہ اس کا خاوند بننے کا خواہاں ہے- اور کسی بھی صورت میں اسے ایسا نہیں کرنا چاہئے- کہ اپنے شوہر کے کاموں پر نکتہ چینی کرتی رہے- یا اس کو اپنے کسی رشتہ دار یا پڑوسی کامیابی کے قصے سنا کر منہ نہ چڑاتی رہے کیونکہ ایسا کرنا نہ تو اس کے خاوند کے لئے فائدہ مند ہے- اور نہ ہی اچھا طریقہ ہے-

میں یہ کہے بغیر بھی نہیں رہ سکتا- کہ کچھ خواتین ایسا ضرور کرتی ہی- اور اپنے شوہروں کے لئے باعث حوصلہ بننے کی بجائے اس کے کاروبار میں تنزلی کا سبب بنتی ہیں- میرا ان خواتین کو یہی مشورہ ہے- کہ وہ ایسا رویہ ہرگز اختیار نہ کریں-

انہیں چاہیے کہ اپنے شوہروں کی دلجوئی کریں بہتر مشورے دیں- ان کی حوصلہ افزائی کریں- ان کاموں کی تعریف کرتی رہیں- جو ان کے خاوند انجام دیتے ہیں- اگر اتفاق سے ان کے شوہروں سے اتفاقاً یا کبھی کبھار کوئی غلط کام بھی ہو جایا کرے- تو بیویوں کو چاہئے- کہ اس طرف دھیان نہ دیا کریں- میں یہ باتیں مردوں کی طرفداری کرتے ہوئے نہیں کہہ رہا ہوں- اور نہ ان کو مردوں کی بے جا امداد سمجھا جائے- بلکہ یہ باتیں تو علم نفسیات کا ایک آزمودہ اور کارآمد بہترین نسخہ ہے-

میں یہاں یہ بات بیان کرنا ضروری سمجھتا ہوں- کہ ایک بیوی کی طرف سے شوہر کی تعریف کرنے سے شوہر کا دل بہت زیادہ بڑھ جاتا ہے- اور اگر اس میں قابلیت نہ بھی ہو تو وہ پوری کوشش کرتا ہے- کہ اپنے آپ کو قابل اور لائق ترین بنائے- نیز بیوی کی داد و تحسین سے خاوند میں جذبہ خود اعتمادی پیدا ہو جاتا ہے-

میں آپ کی آگاہی کے لئے یہ بھی کہنا چاہتا ہوں- کہ جو عورتیں اپنے شوہروں پر نکتہ چینی کرتی رہتی ہیں- اس کی وجہ یہ ہوتی ہے- کہ ایسی عورتوں کے ذہن میں مردوں کا جو تصور قائم ہوتا ہے- یا انکے والدین قائم کر دیتے ہیں- اگر ان کے خاوند اس معیار پر پورے نہیں اترتے- تو پھر ان کی عورتیں نکتہ چینی طعن تشنیع ناراضگی لڑائی جھگڑے دوسروں کی نقالی غرض ہر ممکن طریقہ سے اپنے خاوندوں کو ایسا بنانے کی کوشش کرتی ہیں- جیسا تصور ان کے ذہنوں میں موجود ہوتا ہے- اور جب تک ان کے شوہر ان کے آئیڈیل نہیں بن جاتے اور اپنا کام کئے جاتی ہیں-

پراسرار شخصیت

ایک مشہور شخصیت جارج ایم رینالڈ کہتے ہیں کہ آپ کی شخصیت وہی کچھ ہوگی جو آپ اپنی زندگی کے ابتدائی دور میں بنالیں گے- بیسیوں بلکہ اس سے بھی زیادہ ماہرین نفسیات نے لفظ شخصیت کی تعریف مختلف انداز میں اور اپنے اپنے طریق پر کی ہے- مگر سب کا خلاصہ ایک ہی ہے- یعنی آپ اپنے قول فعل، کردار گفتار اور انداز سے دوسرے لوگوں پر اثرات مرتب کرتے ہیں وہی آپ کی شخصیت ہے- یہ آپ بھی جانتے ہیں- کہ جب آپ کسی شخص سے پہلی مرتبہ ملتے ہیں تو اس کے انداز گفتگو طور طریقوں اور چہرے کے اتار چڑھاؤ کو دیکھ کر کچھ اندازے قائم کرتے ہیں- اس طرح جب کوئی شخص آپ کی مجلس میں چند گھنٹے گزارتا ہے- تو آپ کو یہ پتہ ضرور چل جاتا ہے- کہ وہ حقیقت میں کیا ہے- اس کی باتیں سن کر

آپ یہ بھی جان جاتے ہیں۔ کہ یہ شخص شیخی بگھارنے کا عادی ہے۔ یا سادگی پسند ہے۔ یا اس کو غصہ بہت جلد آجاتا ہے۔ فطرتاً شرمیلا ہے یا بہت ہی ڈھیٹ ہے۔ انتہا پسند ہے یا اعتدال سے کام لیتا ہے۔ اس کی گفتگو سے آپ اس کے کردار کا بھی اندازہ لگا لیتے ہیں۔ اس کا پہناوا دیکھ کر آپ اس کی مالی حالت کا بھی اندازہ قائم کر لیتے ہیں۔ اگر آپ نے اس کے متعلق کسی سے سن پوچھ کر اس کے متعلق کوئی غلط سلط اندازہ قائم کر رکھا ہو۔ تو وہ تبدیل ہو سکتا ہے۔ کچھ لوگ فطرتاً کسی کی شخصیت کے متعلق اندازہ قائم کرنے میں بہت تیز ہوتے ہیں۔ اور پھر اس شخصیت سے ملاقات کرتے ہی اس کے بارے بہت جلد بہت کچھ جان جاتے ہیں آپ کو یہ بھی علم ہوگا۔ کہ ملازمت حاصل کرنے کے لئے ایک انٹرویو بھی لیا جاتا ہے۔ یہ انٹرویو دراصل آپ کی شخصیت کو پرکھنے کا ایک آسان طریقہ ہوتا ہے۔ جب ایسا انٹرویو لینے والا یعنی آجر آپ سے مختلف سوالات کرتا ہے۔ تو وہ آپ کے جوابات سے جاننے کی کوشش کر رہا ہوتا ہے۔ کہ آپ کی ذہنی کیفیت کیسی ہے۔ آپ کی معلومات عامہ کو کہاں تک رسائی حاصل ہے۔ اور اس طرح سے آپ کی جو شخصیت اس کے سامنے آتی ہے وہی آپ کی کامیابی اور ناکامی کا سبب ہوتی ہے۔

بہت سے لوگوں کے ذہنوں میں یہ غلط بات گھر کر جاتی ہے۔ کہ اس کی شخصیت جو کچھ بن چکی ہے۔ وہی رہے گی۔ اس میں مزید کوئی رد و بدل نہیں ہو سکتا۔ اور یہی بات ان کے کام کرنے یا کچھ بننے کی صلاحیت کو اس طرح چاٹ جاتی ہے۔ جس طرح کیڑا (گھن) لکڑی کو کھا جاتا ہے۔ اور انسان اسی کو نوشتہ تقدیر سمجھ کر ہتھیار ڈال کر بیٹھ جاتا ہے۔

ایسا کرنا اس کے لئے نقصان دہ ثابت ہوتا ہے۔ جبکہ ہونا یہ چاہئے۔ کہ جس طرح کوشش و ہمت سے کام لے کر کسی ناممکن کو ممکن بنایا جا سکتا ہے۔ اسی طرح کوشش کرنے سے اپنی شخصیت کو بھی بدلا جا سکتا ہے۔ اور اگر دیکھا جائے تو شخصیت ایسی الہامی نہیں ہوتی۔ کہ جسے تبدیل نہ کیا جا سکے۔ شخصیت ایک متغیر شے ہے۔ اس میں ہر لمحہ تبدیلی واقع ہوتی رہتی ہے۔ یہ بات بھی آپ اچھی طرح جانتے ہیں۔ کہ کچھ اشخاص جو بچپن میں بہت ہی شریر شرارتی اور نکمے ہوتے ہیں۔ وہ بڑے ہو کر یعنی پکی عمر میں پہنچ کر اتنے شریف امن پسند اور محنتی بن جاتے ہیں کہ دوسرے ان کی مثالیں دیکر اپنے بچوں کو سمجھاتے رہتے ہیں۔ یا جو لوگ ایسے اشخاص کو ایک لمبے عرصے کے بعد ملتے ہیں۔ تو ان کو یقین نہیں آتا۔ کہ یہ وہی شریر شرارتی اور نکما لڑکا ہے۔ جسے اس نے لڑکپن میں دیکھا تھا۔

میں نے یہ بات بڑی گہری جانچ پڑتال کے بعد محسوس کی ہے۔ کہ کامیابی کی راہ میں تکنیکی علم کا حصہ بہت تھوڑا یعنی صرف پندرہ سولہ فی صد کے برابر ہوتا ہے۔ جبکہ اسی راہ میں شخصیت کا حصہ پچاس پچپن فی صد ہوتا ہے۔ اسی لئے ضروری ہے۔ کہ آپ اپنی شخصیت کو بہتر بنانے پر بہت زیادہ زور دیتے رہا کریں۔ نہ کہ صرف تکنیکی علم کو بڑھانے پر اپنا پورا زور صرف کریں۔

"گارڈ بائزن" نامی مصنف نے اپنی ایک کتاب میں ایک واقعہ لکھا ہے۔ جس کا تعلق ایک سرمایہ دار شخص سے ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ اس نے اس مالدار شخص سے پوچھا کہ اس نے اتنا بڑا مہنگا کاروبار چلانے کے لئے اور بہت زیادہ دولت جمع کرنے میں کس قسم کے لوگوں کی مدد حاصل کی تھی۔ اس کا جواب یہ تھا۔ کہ میں انسان کے لئے سب سے پہلے پرکشش شخصیت کو ترجیح دیتا ہوں۔ اور اسی کو پسند کرتا ہوں۔

ایسا ہی ایک اور واقعہ گوش گزار کرتا ہوں۔ میں ایک دعوت میں بلایا گیا تھا۔ اس دعوت میں میری ملاقات ایک امیر کبیر عورت سے ہوئی۔ جس کی یہ خواہش تھی۔ کہ دوسرے لوگوں پر اپنا اثر چھوڑے۔ یعنی مجھے وہ پسند کریں۔ میری تعریف کریں۔ اور اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے اس نے اپنے لباس زیورات اور ہیرے موتی خرید کرنے پر بہت زیادہ دولت خرچ کر رکھی تھی۔ لیکن افسوس کہ وہ اپنے چہرے مہرے کے تاثرات کو بہتر بنانے کے لئے کچھ نہ کیا کیونکہ اس کے چہرے سے اس کی خود غرضی اور روکھا پن صاف عیاں ہوتا تھا۔ شاید وہ یہ بات نہ جانتی تھی۔ کہ لوگ کسی کے لباس اور زیورات کی بجائے ان کے چہرے کو زیادہ دیکھتے ہیں اور چہرے کے تاثرات ہی ایسی چیز ہوتے ہیں۔ جن پر کوئی شخص بہت جلد فریفتہ ہو جاتا ہے۔

گارڈن بائزن جن کا پہلے بھی ذکر آچکا ہے۔ اپنی ایک اور کتاب میں ایک سیلز مینیجر کا حوالہ دیکر لکھتا ہے کہ سیلز مینیجر نے ایک اچھے سیلزمین کی درج ذیل خوبیاں بیان کی ہیں۔ میں ان کا مختصراً ذکر کرتا ہوں۔

1- ایک اچھا سیلزمین وہ ہوتا ہے۔ جو ہمیشہ صاف ستھرا رہتا ہو۔ تندرست ہشاش بشاش اور چاق و چوبند نظر آتا ہو۔ مخاطب پر اپنا اچھا اثر ڈال سکتا ہو۔ اگر اس کے چہرے سے بیماری ٹپکتی دکھائی دے۔ تو اس کے مخاطب پر اچھا اثر نہیں پڑے گا۔ جو اس کے کاروبار کو نقصان پہنچانے کا سبب بنے گا۔

2- ایک اچھا سیلزمین وہ ہوتا ہے۔ جو ایماندار اور کھرا انسان ہو۔ کیونکہ ایماندار اور کھرے شخص کو ہر کوئی پسندیدگی کی نظر سے دیکھتا ہے۔ اپنے آپ پر مصنوعی خول چڑھائے رکھنا اور جھوٹ بول کر اپنے آپ کو سچا ظاہر کرنے سے لوگ نفرت کرنے لگ جاتے ہیں۔ اور ویسے بھی ایسا کرنا ایک مہلک مرض ہے۔ کیونکہ جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے اور کسی وقت بھی جھوٹ کا پول کھل سکتا ہے۔ اس وقت جھوٹے شخص کی حالت بہت ہی خراب ہوتی ہے۔ جب اس کی قلعی کھل جائے۔ جبکہ ایماندار آدمی کو ایسا کوئی خوف نہیں ہوتا۔ لہٰذا سیلزمین کو ایمانداری کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہئے۔

3- ایک کامیاب سیلزمین کی تیسری خوبی اس کی قابلیت ہے۔ جو لازمی اس کی کامیابی کی ضمانت ہوتی

ہے۔ اگرچہ صلاحیت یا قابلیت کا شخصیت سے زیادہ واسطہ نہیں ہوتا پھر بھی کسی کام کرنے کی صلاحیت کا اس کی شخصیت پر کافی اثر پڑتا ہے۔ اس لئے لازم ہے۔ کہ جو بھی کام کیاجائے کام کرنے والے شخص میں اس کے کرنے کی صلاحیت یا قابلیت ضرور ہونی چاہئے۔ بصورت دیگر اس کی کامیابی کی ضمانت نہیں دی جاسکتی۔

4- جوش اور ولولہ ایسی خوبی ہے۔ جس کا پایا جانا کامیابی کی روشن دلیل سمجھا جاتا ہے۔ کیونکہ کامیاب انسان ہمیشہ موقع شناس ہوتا ہے۔ اور اسے یہ بخوبی علم ہوتا ہے۔ کہ اسے کس موقع پر کیا کرنا ہے۔ اسی طرح ایک کامیاب پبلشر وہ ہوتا ہے۔ کہ جس کو اس بات کا بخوبی علم ہو کہ کونسی کتاب کس موقع پر چھپنی چاہئے۔ اور کونسی کتاب فلاں موقع پر چھاپنا فائدہ مند نہیں ہے۔

5- کامیابی حاصل کرنے کی ایک خوبی گفتگو میں موقع شناسی بھی ہے۔ بے موقع بول اٹھنے سے اکثر و بیشتر انسان کو پشیمان ہونا پڑتا ہے۔ جب بھی کوئی بات کریں سوچ سمجھ کر کریں۔ یہ نہ ہو کہ خوشی کے موقع پر رنج و غم کے قصے چھیڑ دیں۔ یا کسی کی مرگ پر شادی کی بات شروع کر دیں اس کے علاوہ فضول اور بے مقصد باتیں کرتے رہنا بھی کامیابی کی راہ میں رکاوٹ بن جاتا ہے۔ خواہ مخواہ شیخی بگھارتے رہنا اور بڑیں ہانکتے رہنا بھی اچھی خوبیاں نہیں کہلاتیں۔

6- کامیابی کی ایک اور خاصیت انکساری ہے۔ ہمیشہ کوشش کرنی چاہئے۔ کہ آپ کے منہ سے لاف زنی اور بڑا بول نہ نکلنے پائے۔ اگر کوئی شخص آپ کے سامنے اپنے دکھ سکھ بیان کرنے بیٹھ جائے۔ تو آپ اس کی باتوں کو مکمل دھیان دیکر غور سے سنیں۔ اور پھر ہمدردی کے چار بول بول کر اس کی ہمت بڑھائیں۔ آپ کا ایسا کرنا دوسروں کو مجبور کردیگا کہ وہ آپ کی عزت کریں اور آپ سے محبت بڑھائیں۔

7- کامیابی حاصل کرنے کی ایک خاصیت سادگی بھی ہے۔ سادگی سے انسان کا وقار بلند ہوتا ہے۔ یہ ضروری نہیں۔ کہ آپ قیمتی لباس اور جوتے ہی استعمال کریں۔ تاکہ لوگوں پر آپ کا رعب دبدبا قائم رہے۔ یہ آپ کی غلط سوچ ہے۔ ہو سکتا ہے۔ کہ ان چیزوں سے دوسروں پر آپ کا رعب پڑے لیکن جونہی آپ کا پول کھلے گا۔ تو آپ کو شرمندگی اٹھانا پڑے گی۔
اپنی روز مرہ گفتگو میں بھی سادگی اپنائیں۔ خواہ مخواہ ثقیل اور لمبے چوڑے محاورات زبان سے نہ نکالیں۔ بلکہ ان کی بجائے روزمرہ استعمال میں آنے والے چھوٹے چھوٹے جملے اور آسان الفاظ کا استعمال کریں۔ دوسروں پر اپنی علمیت کی بجائے سادگی سے اثر ڈالیں۔

8- دوسروں پر اثر انداز ہونے کیلئے اعتماد بھی ایک اچھی خاصیت ہے۔ اپنی شخصیت کا لازمی جزو اعتماد کو بنائیں۔ اپنے آپ پر بھی اعتماد کریں۔ اور دوسروں پر بھی اگر آپ بغیر چھان بین کے

دوسروں پر اعتماد کرنے لگ جائیں گے۔ تو لوگ آپ کو بے وقوف سمجھیں گے۔ لیکن یہ بات اپنے ذہن میں ضرور رکھیں۔ کہ ہر کسی کو چور اچکا۔ ٹھگ یا جرائم پیشہ نہ سمجھیں نہ ہی اپنے ملنے والوں کو مشکوک نظروں سے دیکھیں۔ اگر آپ ایسا رویہ اختیار کریں گے۔ تو لوگ بھی آپ کے متعلق غلط رائے قائم کرنے لگ جائیں گے۔

اگر آپ میں مندرجہ بالا خاصتیں موجود نہیں تو کوشش کر کے ان کو اپنائیں۔ اور اگر یہ تمام خوبیاں آپ کے اندر پہلے سے موجود ہیں تو کوشش کر کے ان میں وسعت پیدا کریں ایسا کرنے سے آپ کی شخصیت کو چار چاند لگ جائیں گے۔ اور یہی خوبیاں آپ کی مکمل کامیابی اور کامرانی کی ضمانت بھی ہیں۔

شخصیت کا اظہار

ممکن ہے۔ کہ آپ کی شخصیت ہر لحاظ سے مکمل اور قابل تعریف ہو۔ لیکن اس کے بہتر نتائج حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے۔ کہ آپ اس کا اظہار کریں۔ جب آپ کی شخصیت کا اظہار نہ ہوگا اس سے کسی قسم کے اچھے یا برے نتائج برامد نہ ہوں گے شخصیت کے اظہار کا بہتر طریقہ آپ کی گفتگو ہے۔ آپ کے انداز گفتار سے لوگوں پر خاطر خواہ اثر پڑتا ہے۔ اور خواہ مخواہ شرمیلے بنے رہنے سے آپ کی ترقی کی راہ میں روڑے اٹکے رہیں گے۔ لہذا آپ غیر ضروری حجاب سے بہت زیادہ پرہیز کریں۔ ایسا بھی رویہ اختیار نہ کریں کہ کسی محفل میں بلا ضرورت بولتے رہیں۔ اور کسی دوسرے کو بات کرنے کا موقع نہ دیں اس طرح ضروری نہیں کہ آپ کی شخصیت لوگوں پر ظاہر ہو۔ بلکہ ضروری یہ ہے کہ آپ دوسرے اہل محفل کی بات بھی توجہ اور غور سے سنیں۔ ہاں موقع سے فائدہ ضرور اٹھائیں۔ باتوں میں ایسا انداز اپنائیں۔ کہ لوگ یہ محسوس نہ کریں۔ کہ آپ خواہ مخواہ شیخی بگھار رہے ہیں یا لاف زنی کر رہے ہیں۔
ہمیشہ نکتہ چینی سے پرہیز کریں۔ کسی بھی شخص کی پیٹھ پیچھے برائی بیان نہ کریں۔ ایسا کرنا اچھی عادت نہیں۔ اسلام میں اسے غیبت کرنا کہا جاتا ہے۔ جب آپ ایسا کریں گے۔ وہ لوگ جو خاص طور پر آپ کے سامنے موجود ہوں گے یا جن کو آپ مخاطب کر رہے ہونگے۔ انہیں اس لئے بھی برا محسوس ہوگا۔ اور ان کے دل میں یہ خیال بھی پیدا ہو جائے گا۔ کہ جو شخص کسی کی برائی اس کی عدم موجودگی میں کرسکتا ہے۔ تو بعید نہیں۔ کہ کل وہ ہماری غیر حاضری میں ہماری بھی برائیاں بیان کرلے پھر پیٹھ پیچھے برائی

بیان کرنے کی عادت اس لئے بھی خراب ہے۔ کہ آپ بھی اس کے سامنے بھی ایسا کر جائیں گے۔ شخصیت کے اظہار کے لئے بہت سی باتیں گفتگو کرنے کے فن سے تعلق رکھتی ہیں۔ اور یہ باتیں ان کتب سے مل جائیں گی۔ جن میں گفتگو پر کچھ لکھا گیا ہو گا۔ اسی طرح شخصیت کے بارے بھی پچھلے صفحات میں بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ اگر آپ ان ہدایات پر عمل کرنے کو اپنی عادت بنا لیں گے۔ تو یقیناً کامیابی آپ کے قدم چومے گی۔ اور اس طرح دولت آپ کے گھر کی لونڈی بن جائے گی۔

ہمیشہ مضبوط قوت ارادی سے کام لینا سیکھیں

ایک مشہور فلاسفر مسٹر روڈولف کہتے ہیں کہ:۔

ارادہ ایک ایسا نفسیاتی عمل ہے۔ جو عمل کو تحریک دیتا ہے اسے ساتھ لیکر بڑھتا ہے۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ کہ ارادہ ہر شعور عمل کی بنیاد ہوتا ہے۔ ہم جو بھی کام اپنے شعور کی مدد سے سرانجام دیتے ہیں۔ سب سے پہلے اس کام کے کرنے کا ارادہ ذہن میں ابھرتا ہے۔ جس کے بعد عمل کی نوبت آتی ہے۔ ارادہ کی قوت سے متعلق بات کرنے سے پہلے ہمارے لئے یہ جاننا بہت ضروری ہے۔ کہ ہماری جسمانی بناوٹ سے ارادہ کی قوت کا کیا واسطہ یا تعلق ہے۔ یہ بات لازم نہیں کہ ایک موٹے تازے لحیم و شحیم شخص کی قوت ارادی اس کی طرح بہت زیادہ ہو۔ کیونکہ ایک دبلا پتلا اور کمزور انسان مضبوط قوت ارادی کا مالک ہو سکتا ہے۔

یہ بات بھی اپنے ذہن میں ضرور رکھیں۔ کہ کوئی انسان ایسا نہیں ہوتا۔ جس میں قوت ارادی نہ ہو۔ مگر ایسا ہو سکتا ہے۔ کہ کسی میں کم ہوتی ہے۔ اور کسی میں زیادہ ہوتی ہے کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں۔ کہ ان کو اپنی قوت ارادی کی صحیح سمت کا علم نہیں ہوتا جبکہ قوت ارادی ایسا منظم عنصر ہے۔ جو عموماً کسی خاص مقصد کے لئے مختص ہوتا ہے۔ یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ قوت ارادی ہمیشہ مثبت عادات میں معاون کا کردار ادا کرتی ہے۔ جبکہ منفی عادات میں قوت ارادی کا عمل اس کے الٹ ہوتا ہے۔

قوت ارادی کی مقدار کبھی مقرر نہیں ہوتی۔ اس میں کمی بیشی کی جا سکتی ہے۔ کیونکہ اگر کسی انسان کے دماغ میں کوئی بیماری پیدا ہو جائے۔ تو قوت ارادی میں کمی واقع ہو جاتی ہے۔ اس کو بڑھانے کا آسان طریقہ یہ ہے۔ کہ جب ایسی صورت پیدا ہو جائے۔ تو پہلے پہل آسان اور چھوٹے چھوٹے کام اس قوت ارادی سے لئے جائیں۔ اور انہیں میں کامیابی حاصل کی جائے اگر کوئی شخص بڑی بڑی چھلانگیں لگانا

شروع کر دے اور بڑے بڑے کام لینا شروع کر دے تو وہ ہمیشہ ناکامی کا منہ دیکھتا ہے۔ اور اس طرح اس کی قوت ارادی میں اور زیادہ کمی واقع ہو جاتی ہے۔ اور اس کی کئی مثالیں بھی دنیا میں موجود ہیں۔ جیسے ڈارون، سیزر، بریڈ فورڈ اور اسی طرح کے کئی دوسرے لوگوں نے اپاہج ہوتے ہوئے ایسی شہرت حاصل کی کہ دنیا والے عش عش کر اٹھے۔ جبکہ صحت اور قوت ارادی کا آپس میں کافی مضبوط رشتہ ہوتا ہے۔ اسی لئے قوت ارادی کو بنانے میں جسمانی صحت کا بہت زیادہ کردار ہوتا ہے۔ ایسے ہی مختلف اقسام کی ذہنی بیماریاں قوت ارادی کو نقصان پہنچانے کا باعث بنتی ہیں۔

قوت ارادی کو بڑھانے کے لئے سب سے پہلے ہمیں اپنی جسمانی صحت کا بہت خیال رکھنا چاہئے۔ اور اپنی تمام بری اور نقصان پہنچانے والی عادتوں کو چھوڑ کر صحت کے اصولوں پر عمل کرنا چاہئے۔ یہ سچ ہے۔ کہ یہ کام انجام دینے کے لئے بھی قوت ارادی ہی کام آتی ہے۔ ممکن ہے کہ یہ کچھ کرنا آپ کے لئے دشوار ہو۔ مگر یہ سوچ کر کہ آپ اپنی قوت ارادی میں اضافہ کر رہے ہیں۔ نہ کہ اپنی جسمانی صحت کے لئے ایسا کر رہے ہیں۔ ان اصولوں پر کاربند رہیں تھوڑی سی مشقت کے بعد یہ کام آپ آسانی سے انجام دے سکیں گے۔ ایسے ہی قوت ارادی بڑھانے کے لئے کچھ ٹوٹکے بھی ہیں۔ اور یہ ٹوٹکے ہزار سالوں سے لوگ اپنی ذہنی قوت بڑھانے کے لئے آزماتے چلے آ رہے ہیں۔ اور اس قسم کے طریقوں میں سب سے مشہور دریافت وہ ہے۔ جسے ہندو "یوگ" کا نام دیتے ہیں۔ اسی طرح مسلمان عبادت اور دعا کے ذریعہ بھی بہت زیادہ قوت ارادی کے مالک بن جاتے ہیں۔ میں یہ بات آپ کو ایک بار پھر یاد دلانا چاہتا ہوں کہ ارادے کی مشق میں باقاعدگی تسلسل کی بہت زیادہ اہمیت ہے۔ کیونکہ ایسی مشق کو وقت بے وقت انجام دینے سے خاطر خواہ نتائج برآمد نہیں ہوتے یعنی آپ کو مطلوبہ فائدہ حاصل نہ ہو گا۔

قوت ارادی کو تقویت پہنچانے کے لئے صبح سویرے اٹھنے کی بھی خاص اہمیت ہے کیونکہ جلدی اٹھنے میں انسان کے اندر ایک جوش اور ولولہ پیدا ہوتا ہے۔ اور یہ جوش اور ولولہ دن بھر انسان کو کام کرنے پر اکساتا رہتا ہے۔

نقصان پہنچانے والی عادات کو چھوڑنے میں انسان کو پہلے پہل تو کافی دقت پیش آتی ہے۔ یہ کام بھی قوت ارادی کے بغیر ممکن نہیں۔ البتہ چند مرتبہ کوئی کام کر لینے سے اس کام کی عادت سی ہو جاتی ہے۔ اور پھر اس کام کو انجام دینے میں کوئی مشکل پیش نہیں آتی کہ آپ اسے نہ چھوڑ سکیں۔ اسی طرح آپ روزانہ ارادوں کی مشق جاری رکھیں اور روزانہ کچھ وقت اس کام کے لئے وقف کر دیں۔ اس سے جہاں آپ کی قوت ارادی میں خاطر خواہ اضافہ ہو گا۔ بلکہ آپ کی پوری شخصیت کی بناوٹ میں بھی فائدہ ہو گا۔

شروع کردے اور بڑے بڑے کام لینا شروع کردے تو وہ ہمیشہ ناکامی کا منہ دیکھتا ہے۔ اور اس طرح اس کی قوت ارادی میں اور زیادہ کمی واقع ہو جاتی ہے۔ اور اس کی کئی مثالیں بھی دنیا میں موجود ہیں۔ جیسے ڈارون، سیزر، ہیڈ فورڈ اور اسی طرح کے کئی دوسرے لوگوں نے اپاہج ہوتے ہوئے ایسی شہرت حاصل کی کہ دنیا والے عش عش کر اٹھے۔ جبکہ صحت اور قوت ارادی کا آپس میں کافی مضبوط رشتہ ہوتا ہے۔ اسی لئے قوت ارادی کو بنانے میں جسمانی صحت کا بہت زیادہ کردار ہوتا ہے۔ ایسے ہی مختلف اقسام کی ذہنی بیماریاں قوت ارادی کو نقصان پہنچانے کا باعث بنتی ہیں۔

قوت ارادی کو بڑھانے کے لئے سب سے پہلے ہمیں اپنی جسمانی صحت کا بہت خیال رکھنا چاہئے۔ اور اپنی تمام بری اور نقصان پہنچانے والی عادتوں کو چھوڑ کر صحت کے اصولوں پر عمل کرنا چاہئے۔ یہ سچ ہے۔ کہ یہ کام انجام دینے کے لئے بھی قوت ارادی ہی کام آتی ہے۔ ممکن ہے کہ یہ کچھ کرنا آپ کے لئے دشوار ہو۔ مگر یہ سوچ کر کہ آپ اپنی قوت ارادی میں اضافہ کر رہے ہیں۔ نہ کہ اپنی جسمانی صحت کے لئے ایسا کر رہے ہیں۔ ان اصولوں پر کاربند رہیں تھوڑی سی مشقت کے بعد یہ کام آپ آسانی سے انجام دے سکیں گے۔ ایسے ہی قوت ارادی بڑھانے کے لئے کچھ ٹوٹکے بھی ہیں۔ اور یہ ٹوٹکے ہزار سالوں سے لوگ اپنی ذہنی قوت بڑھانے کے لئے آزماتے چلے آرہے ہیں۔ اور اس قسم کے طریقوں میں سب سے مشہور دریافت وہ ہے۔ جسے ہندو "یوگ" کا نام دیتے ہیں۔ اسی طرح مسلمان عبادت اور دعا کے ذریعہ بھی بہت زیادہ قوت ارادی کے مالک بن جاتے ہیں۔ میں یہ بات آپ کو ایک بار پھر یاد دلانا چاہتا ہوں کہ ارادے کی مشق میں باقاعدگی تسلسل کی بہت زیادہ اہمیت ہے۔ کیونکہ ایسی مشق کو وقت بے وقت انجام دینے سے خاطر خواہ نتائج برامد نہیں ہوتے یعنی آپ کو مطلوبہ فائدہ حاصل نہ ہوگا۔

قوت ارادی کو تقویت پہنچانے کے لئے صبح سویرے اٹھنے کی بھی خاص اہمیت ہے کیونکہ جلدی اٹھنے میں انسان کے اندر ایک جوش اور ولولہ پیدا ہوتا ہے۔ اور یہ جوش اور ولولہ دن بھر انسان کو کام کرنے پر اکساتا رہتا ہے۔

نقصان پہنچانے والی عادات کو چھوڑنے میں انسان کو پہلے پہل تو کافی دقت پیش آتی ہے۔ یہ کام بھی قوت ارادی کے بغیر ممکن نہیں۔ البتہ چند مرتبہ کوئی کام کرلینے سے اس کام کی عادت سی ہو جاتی ہے۔ اور پھر اس کام کو انجام دینے میں کوئی مشکل پیش نہیں آتی کہ آپ اسے نہ چھوڑ سکیں۔ اسی طرح آپ روزانہ ارادوں کی مشق جاری رکھیں اور روزانہ کچھ وقت اس کام کے لئے وقف کر دیں۔ اس سے جہاں آپ کی قوت ارادی میں خاطر خواہ اضافہ ہوگا۔ بلکہ آپ کی پوری شخصیت کی بناوٹ میں بھی فائدہ ہوگا۔